سفرنامۂ حج

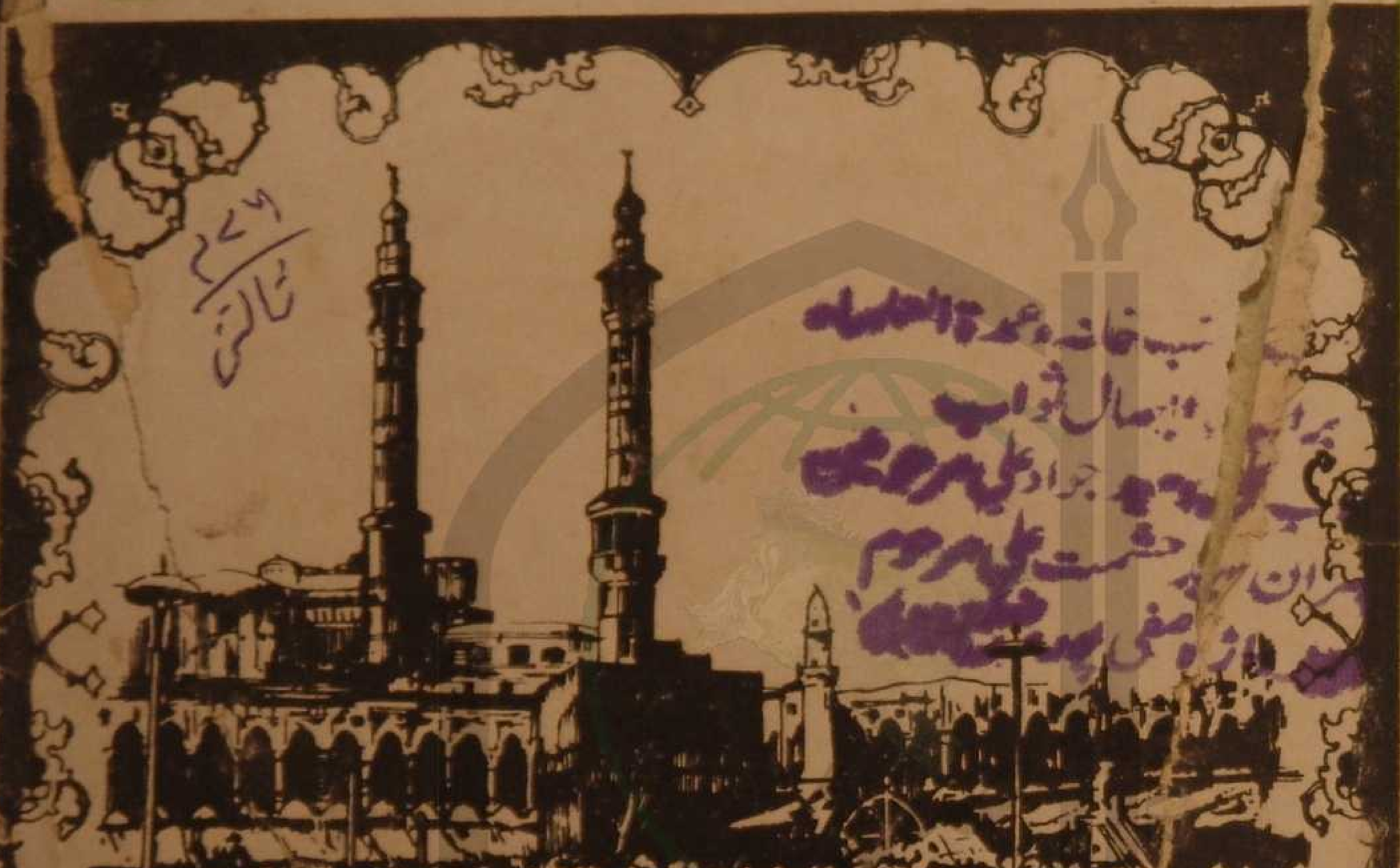

maablib.org

سرکار سید العلماء مدظلہ العالی

ناشر ادارہ امامیہ مشن لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

سفرنامۂ حج

از

(سید العلماء مولانا سید) علی نقی النقوی (مجتہد العصر دام ظلہ)

قیمت :- (نو روپئے)

مطبوعہ

نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ۔

maablib.org
MAAB 143

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء و
المرسلین ابی القاسم محمد خاتم النبیین وآلہ الطیبین
الطاہرین المعصومین ٥

۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں توفیق الٰہی شامل حال ہوئی کہ مجھے فریضۂ حج کی ادائی کا موقع ملا۔

اس سفر میں بالالتزام میں حالات سفر لکھتا رہا جو وہاں سے واپسی کے بعد اخبار پیام اسلام لکھنؤ میں ایک سال تک شائع ہوتے رہے۔ جب ہی سے بہت بہت سے احباب کا اصرار ہو گیا کہ انھیں کتابی شکل میں محفوظ ہونا چاہئے اور ایک صاحب خیر نے ادارۂ امامیہ مشن لکھنؤ کو ایک رقم بطور عطیہ مشروط اسی سفرنامہ کی اشاعت کے لئے روانہ فرما دی جس کی بنا پر امامیہ مشن کی جانب سے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے مجھ سے اصرار شروع ہو گیا کہ اسے کتابی شکل میں مرتب کر کے اشاعت کے لیے دوں جس کی تعمیل کے لئے انشاء اللہ عزم مصمم ہو گیا ہے۔ اور اب مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں ایک مقدمہ کا اضافہ کر دیا جائے جس سے

ایک طرف افراد ملت کو اس فریضہ کی ادائگی کا احساس ہو اور دوسری طرف بعض وہ غلط فہمیاں دور ہوں جو اغیار کے درمیان اس بارے میں قوم شیعہ کی نسبت پائی جاتی ہیں۔

والسلام
علی نقی النقوی،
۱۹ رج ۱۳۹۷ھ
(علی گڑھ)

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار بریہ
maablib.org

حج کی اہمیت

ازروئے قرآن

فریضۂ حج کی اہمیت قرآن مجید سے اس طرح بھی ثابت ہے کہ وہ عملی ارکان دین جنھیں بچوں کو "فروع دین" کے نام سے یاد کرایا جاتا ہے صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ، خمس، جہاد، ان میں سے سوا ایک کے کسی کے نام پر قرآن کا کوئی مستقل سورہ نہیں ہے۔ وہ ایک حج ہے جس کے نام پر ایک مستقل سورہ "سورہ الحج" قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہاں سورۂ حمد کے بہت سے ناموں میں ایک سورۃ الصلوٰۃ بھی ہے مگر وہ اس مناسبت سے ہے کہ نماز میں اس کا بار بار پڑھنا ضروری ہے۔ نہ یہ کہ اس سورہ میں نماز کا کوئی بیان ہوا ہو یا نماز کا نام اس میں لیا گیا ہو۔

پھر فریضۂ حج کا حکم دیتے ہوئے جو آیت اتری ہے:-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ـــــ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ	اللہ کا لازم الادا حق ہے انسانوں پر کہ وہ خانہ کعبہ کا حج کریں جسے اس راستے کے طے کرنے کی استطاعت ہو اور جو کفر اختیار کرے تو اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔
(چوتھا پارہ، آل عمران ۹۷)	

اس میں ان الفاظ آیت سے سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ ترک حج کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے مگر چونکہ یہ معلوم ہے کہ عبادات میں کسی کا صرف ترک کرنا دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کا باعث نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ جو کافر ہو جائے، یعنی جو اس فریضہ کا انکار کرے۔ علامہ طبرسی رح لکھتے ہیں:-

من جحد فرض الحج ولم یروہ واجبا۔ جو فریضۂ حج کا منکر ہو اور اسے واجب نہ سمجھے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ من یکفر کی لفظ کفران نعمت سے ہے۔ بہر صورت آیت کے تیور اس فریضہ کی انتہائی اہمیت کا پتہ دیتے ہیں۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار بریر
maablib.org

حج کی اہمیت

از روئے حدیث

احادیث سے حج کی اہمیت اتنی ثابت ہوتی ہے کہ نماز سے بھی ایک اعتبار سے وہ بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے :-

اما انّہ لیس شیٔ افضل من الحج الا الصلوٰۃ وفی الحج ھنا صلوٰۃ ولیس فی الصلوٰۃ قبلکم حج۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حج سے افضل کوئی عبادت نہیں ہے، سوا نماز کے مگر حج کا ایک جز نماز بھی ہے اور نماز کا جزو حج نہیں ہے۔

صاحب جواہر فرماتے ہیں :-

لما فیہ من اذلال النفس واتعاب البدن وھجران الاھل والتغرب عن الوطن ورفض العادات وترک اللذات والشھوات و

یہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں اپنے نفس کو دبانا بھی ہے جسم کو زحمت میں ڈالنا بھی ہے۔ عزیز و اقارب سے جدائی بھی ہے، غریب الوطنی بھی ہے۔

maablib.org

وتحمل المنافرات والمكروهات
وانفاق المال وشد الرحال و
تحمل مشاق الحل والارتحال
ومقاساة الاهوال والابتلاء
بمعاشرة السفلة والانذال
وهو ح رياضة نفسانية
وطاعة مالية وعبادة
بدنية قولية وفعلية
وجودية وعدمية وهذا
الجمع من خواص الحج من الصلوٰة
وهي لم يجتمع فيها ما
اجتمع في الحج من فنون الطاعات

معمولات زندگی کا چھوڑنا بھی ہے، لذائذ
خواہشات نفس کو ترک کرنا بھی ہے۔
ناگواریوں اور خلاف طبع حالات کا
برداشت کرنا بھی ہے، پیسے کا خرچ
بھی ہے، صعوبات سفر بھی ہیں۔
راہ کے خطروں کا مقابلہ بھی ہے، پست
قسم کے آدمیوں سے سابقہ بھی ہے، ان سب
باتوں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے وہ نفسانی
ریاضت بھی ہے، مالی اطاعت بھی اور جسمانی
عبادت بھی جو قولی بھی ہے اور فعلی بھی از قسم
وجود بھی اور از قسم عدم بھی اور یہ ہمہ گیر
نوعیت تمام عبادتوں میں جن میں سب سے زیادہ
جامع نماز ہے حج کے ساتھ مخصوص ہے اور
نماز میں بھی اتنی طرح کی عبادتیں یکجا نہیں
ہیں جتنی حج میں یکجائی طور پر موجود ہیں۔

یہ حج وہ اہم فریضہ ہے کہ ہمارے مولا امیر المومنین علیہ السلام نے ابن ملجم کی قاتل ضربت لگنے کے بعد ۲۰ رماہ رمضان کو اس عالم میں کہ جب زہر کا اثر جسم مبارک میں پھیل چکا تھا اور ظاہری اسباب سے بھی زندگی سے مایوسی ہو گئی تھی اپنے اولاد و اقارب کو جمع کر کے جو آخری وصیت فرمائی ہے اور

mdaablib.org

جس کے ساتھ یہ جملہ بھی تھا کہ یہ میری وصیت ہر اُس شخص کو ہے (قیامت تک) کہ جس تک میری یہ وصیت پہونچے۔ اس میں نماز اور قرآن کے ساتھ عبادات الٰہی میں جس چیز کے متعلق انتباہ ضروری خیال فرمایا، وہ حج ہے۔ فرمایا۔

اللہ اللہ فی بیت ربکم — دیکھو اللہ سے ڈرنا، اللہ سے ڈرنا اپنے

فانہ ان ترک لم ینظروا — پروردگار کے گھر (خانہ کعبہ) کے بارے میں

کہ اگر اس کا حج موقوف ہو جائے تو پھر خلق خدا کو عذاب الٰہی سے مہلت نہیں مل سکتی۔

اس فریضہ کی خاص اہمیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ نماز روزہ وغیرہ ہر فریضہ کے ساتھ استخفاف معصیت ہی نہیں بلکہ کفر کا موجب ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ گناہان کبیرہ میں شرک وغیرہ کے ساتھ فہرست میں ذکر کیا گیا ہے

الاستخفاف بالحج — فریضہ حج کو سبک سمجھنا۔

(منہاج الصالحین آیۃ اللہ خوئی دام ظلہ، مطبوعہ بیروت ج ۱ ص ۱۱)

سلسلۂ حج کا آغاز

یہ ماوراء التاریخ کا باب ہے جس دور کے حالات کا انکشاف صرف اُن مکتب قدس کے تعلیم یافتہ حضرات کے ارشادات سے ہو سکتا ہے جنھیں اللہ کی طرف سے ہر دور کے متعلق علم عطا کیا گیا تھا چنانچہ ہمارے تیسری صدی ہجری کے قدیم مفسر علی بن ابراہیم قمی نے اس ذیل میں امام جعفر صادقؑ کی حدیث درج کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم جب زمین پر اتارے گئے تو اپنے ترک اولیٰ کے احساس سے گریہ و زاری میں مصروف تھے تو اس وقت خالقِ کریم نے اپنے لطف و عنایت سے جناب جبرئیل کو بھیج کر اس مرکز کی بنیاد قائم کی جسے مرکز حج قرار دینا تھا اور پھر حضرت آدم سے یکے بعد دیگرے تمام مناسک حج ادا کرائے گئے جو آج تک قائم ہیں۔

اس کا شاہد قرآن سے یہ ملتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے ذریعہ سے اس مرکز کی دوبارہ بنا قائم ہوئی تو خالق نے ان کی زبان سے اعلانِ حج کراتے ہوئے حج کا ذکر ایک جانی پہچانی چیز کی طرح کیا۔

(وَاَذِّن فی النّاسِ بالحج) "تمام خلق کے لیے اب حج کا اعلان کر دو"

یہاں یہ نہیں ہوا کہ فرشتہ آتا اور جناب ابراہیمؑ کو بتاتا کہ حج کیا ہوتا

ہے۔ اور کیونکر ہوتا ہے؟

معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابراہیمؑ کے دور تک وہ سنت جو آدمؑ سے قائم ہوئی تھی اب امتدادِ زمانہ سے عوام میں متروک ہو گئی تھی اور یہ اب حضرت ابراہیمؑ سے خالق نے اس وعدہ کیا تھا کہ اب آج سے تمھارے اعلان کے بعد دنیا اس حکم پر عمل کرے گی (یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق) قیامت تک کے لیے اس عبادت کی انجام دہی کا سلسلہ قائم کرایا جو بحمد اللہ آج تک قائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس "عمرہ" کے علاوہ جو مشرکین کے سدِ راہ ہونے کی وجہ سے نامکمل رہ گیا۔ اور صلح حدیبیہ کی بنا پر آپ نے اسے ترک فرما کر مدینہ کی جانب واپسی اختیار فرمائی، دوسرے سال قرارداد کے مطابق عمرہ کی تکمیل فرمائی جسے تاریخ میں "عمرۃ القضا" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، فتح مکہ کے بعد زندگی کے آخری سال میں وہ یادگار حج فرمایا جس کی یاد "حجۃ الوداع" کے نام سے ہر مسلمان کے لوحِ دل پر ثبت ہے اور جس کے تکملہ پر اعلانِ ولایت کے ذریعہ اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت کا اعلان ہوا۔ اس لیے غدیر خم کے ساتھ ساتھ "حج" کی یاد بھی کسی "علیؑ ولی اللہ" کا کلمہ کے جزو کی حیثیت سے اقرار کرنے والوں اور اذان میں شہادتِ توحید و شہادتِ رسالت کے ساتھ "شہادتِ ولایت" کا اعلان کرنے والوں کے ذہن سے تو کبھی محو نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارے مولا امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام پیغمبر ص کے ساتھ حج میں شریک تھے ہی، اس کے علاوہ آپ نے بطور خود بکثرت حج فرمائے جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے۔

اما علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کثیراً قبل ولایۃ للخلافۃ (محاضرۃ الابرار، ج ۱ ص ۹۹)	حضرت علی نے اپنے دور خلافت سے پہلے بکثرت حج کیے۔

امام حسن علیہ السلام کے بارے میں علامہ ابن صباغ مالکی حافظ ابو نعیم اصفہانی کی حلیۃ الاولیاء کے حوالے سے درج کرتے ہیں کہ آپ نے مدینہ سے مکہ معظمہ کے بیس حج پاپیادہ کیے۔ امام حسین علیہ السلام کے حالات میں بھی ایسا ہے کہ آپ نے پچیس ۲۵ حج پیادہ پا کیے تھے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا وہ حج تاریخ اور ادب دونوں کا جزو بن گیا ہے جس میں ہشام بن عبدالملک نے اس منظر کو حیرت سے دیکھا تھا کہ جب آپ حجر اسود کی طرف بڑھے تو حاجیوں کا پورا مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا اور جب اُس نے آپ کی شخصیت سے لاعلمی کا اظہار کیا تو فرزدق نے وہ اپنا یادگار قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے کہ:-

ھذا الذی تعرف البطحاء وطاتہ
والبیت یعرفہ والحل والحرم

"یہ وہ ہے کہ سرزمین مکہ جس کے پیر کی چاپ کو پہچانتی ہے اور خانہ کعبہ اور حل وحرم سب اس سے واقف ہیں۔

اسی طرح ہمارے جتنے معصومینؑ ہیں سب کے حج کے واقعات تواریخ
وسیر میں درج ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے بارھویں امام حضرت ولی
عصر حجت منتظر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کی زیارت سے متعدد خوش نصیب افراد
موقع حج ہی پر بہرہ یاب ہوئے ہیں جس کا ذکر شیخ صدوق ابن بابویہ قمی
طاب ثراہ نے اپنی مہتم بالشان کتاب کمال الدین و تمام النعمۃ میں کیا ہے۔
ہم جہاں تک محسوس کرتے ہیں ہماری جماعت شیعہ امامیہ کے لیے علاوہ
فریضۂ دینی ہونے کے مخصوص طور پر ایمانی تقاضوں کے لحاظ سے جذباتی لگاؤ
حج کی ادائگی کے ساتھ ہونا چاہیئے اوّل اس لیے کہ کعبہ بیت اللہ ہونے کے
ساتھ ہمارے مولا امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کا مولد بھی تو
ہے، اس لیے ہمیں اس کی زیارت کا بھی شوق ہونا چاہیئے۔
دوسرے کعبہ سے خصوصی تعلق ہمارے مولا کا یہ بھی ہے کہ بتوں
سے اس کی تطہیر اور بت شکنی کا کارنامہ حضرتؑ ہی کے ہاتھ سے انجام
پایا ہے جس میں رسولؐ کے دوش مبارک پر آپ کے قدم پہونچے تھے۔
تیسرے ہمارے مولا کی ولایت و خلافت کا اعلان حج سے واپسی ہی
میں ہوا ہے اور حج کے فریضہ کی تکمیل سے اس کی یاد وابستہ ہے۔
چوتھے ہمارے امام مظلوم حضرت امام حسین علیہ السلام کی عبادات
الٰہی میں جو تمنا پوری نہ ہوسکی وہ زندگی کا آخری حج تھا جسے ظلم ظالمین
سے آپ تکمیل تک نہ پہونچا سکے۔
پانچواں اور سب سے قوی محرک یہ ہے کہ ہمارے امام زمانہ علیہ السلام

بھی ہر سال حج کے موسم میں کعبہ تشریف لاتے ہیں اور بہت امکان ہے کہ ہم میں سے کوئی خوش نصیب طواف میں، صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں، عرفات کے وقوف یا منیٰ میں رمی جمرات کے موقع پر کہیں نہ کہیں لاشعوری طور پر سہی، حضرت کی زیارت سے شرفیاب ہو جائے، جیسا کہ متعدد نیک بندوں کو ایسے ہی موقعوں پر یہ سعادت حاصل ہوئی ہے جس کا اجمالی تذکرہ ابھی جناب شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ کے بیان کردہ واقعات کے حوالہ سے ہو چکا ہے اور امید قوی ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی حج کو جاتے وقت فریضۂ حج کی ادائگی کی نیت کے ساتھ بطور بعد مطلوب اس تمنا کو بھی دل میں لے کر جائے اور کعبہ، صفا، مروہ، عرفات مشعر اور منیٰ میں برابر یہ تصور بھی قائم رکھے تو خداوند عالم اس کی آرزو کو بر لائے۔

(وما ذالک علی اللہ بعزیز)

---

(۱) ائمہ معصومین علیہم السلام میں قبل غیبت ہر امام کے اصحاب اور پھر زمانۂ غیبت میں ہر صدی میں علمائے شیعہ جو فریضۂ حج انجام دیتے ہیں ان میں سے بہت سوں کا تذکرہ کتب رجال و سیر میں محفوظ ہے۔ چونکہ اس بارے میں غیر حلقوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ شیعہ حج بہت کم کرتے ہیں اس لیے جس طرح ہم نے تذکرۂ حفاظ شیعہ،، دو جلد (ب) میں لکھا جو امامیہ مشن سے شائع ہوا۔ اور اس کے بعد سے یہ آواز بہت کم سننے میں آتی ہے کہ شیعوں میں حافظ قرآن نہیں ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ اسی

طرح امکان ہے کہ "تذکرۂ حجاج شیعہ" مرتب کر دیا جائے جس میں ہر صدی میں ترتیب کے ساتھ اُن اکابر شیعہ کے نام اور مختصر حالات بیان کیے جائیں جن کا ذکر کتابوں میں محفوظ ہے۔

بے شک ہندوستان میں ہم نہیں کہہ سکتے کن حالات کی بنا پر ہمارے اکابر علماء نے ہمارے جد امجد جناب فردوس مکان شمس العلماء مولانا سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ تک سفر حج نہیں فرمایا لیکن ہمارے جد امجد نے اس فریضہ کی تکمیل کی اور اسی دور میں جناب تاج العلماء مولانا سید علی محمد طاب ثراہ اور جناب مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ، مصنف عبقات الانوار اور جناب ابو صاحب قبلہ (والد باقر العلوم) نے حج کیا۔ ہم نے جن اکابر علماء کے دور کو پایا، ان میں ایک جناب قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ تھے جنھوں نے ہمارے سامنے سفر حج فرمایا، اور بحمدہٖ میرے اس فریضہ کی ادائگی کے بعد تو اب طبقۂ علماء و واعظین میں بکثرت افراد ہیں جو حج کر چکے ہیں اور اب ممکن ہے اُن حضرات کی تعداد کم ہو جو ابھی اس فریضہ کو انجام نہیں دے سکے ہیں۔ خداوند عالم اپنی توفیق شامل حال فرمائے اور باقی افراد بھی اب اس سعادت کو حاصل کریں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ شیعیت ہندوستان و پاکستان سے مخصوص نہیں ہے۔ ایران، یمن، اور شام وغیرہ کے شیعہ عوام ہر سال کثرت کے ساتھ حج کو جاتے ہیں جن کی تفصیل اخباروں میں بھی آیا کرتی ہے۔ اس لیے ہندوستان اور پاکستان کے شیعہ عوام میں یہ رجحان

کسی حد تک کم پایا جاتا ہے تو اس کے عوامل کچھ مقامی ہو سکتے ہیں۔ جنھیں یقیناً دور ہونا چاہئیے۔ لیکن ہندوستان اور پاکستان کے شیعوں کو دیکھ کر کسی کو بھی عام طور سے فرقۂ شیعہ کی طرف اس بات کی نسبت جائز نہیں ہو سکتی کہ ان کا رجحان حج کی طرف نہیں ہے یا وہ حج کی اہمیت محسوس نہیں کرتے۔

والسلام

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برّ صغیر
maablib.org

لکھنؤ سے روانگی

بکم شوال ۱۳۷۷ھ عید الفطر ۲۱ اپریل ۱۹۵۸ء آج عید بھی تھی، اور حج کی تیاری بھی، ہم نے اطلاع روانگی کے متعلق کسی اعلان کو سختی کے ساتھ روک دیا تھا، اس لیے کوئی وجہ نہ معلوم ہوتی تھی کہ اسٹیشن پر کوئی مجمع ہو۔

اس غرض سے کہ عید کا دن نہ نکل جائے، نماز مغربین بھی اطمینان سے ہو جائے اور گاڑی میں جگہ بھی بفراغت مل جائے۔ میں گھر سے ۶ ہی بجے روانہ ہو گیا اور مغرب کے وقت اسٹیشن پہنچ گیا مگر یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اسٹیشن پر کچھ لوگ میرے پہلے سے موجود تھے، اور مغربین کی نماز جواحباب کے اصرار سے پلیٹ فارم پر بجماعت ہوئی۔ اس میں کافی مجمع ہو گیا اور گاڑی کے وقت تک اور زیادتی ہو گئی جو میرے تصورات سے بالکل خارج تھی۔

ان میں اعزا اور جانے پہچانے احباب کے علاوہ متعدد ایسے افراد بھی نظر آرہے تھے جن سے میں بالکل واقف نہیں ہوں۔

ظاہر ہے کہ ان تمام حضرات کی تشریف آوری نہ میری تحریک

تھی اور نہ خواہش سے بلکہ صرف اپنی دلی محبت کے تقاضے سے تھی اس لیے
وہ اس پر کسی شکریہ کے متوقع نہیں ہوں گے۔ تاہم شکریہ نہیں بلکہ صرف ان
کی محبت کا اعتراف اور اپنے تاثر کا اظہار ہے جسے میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں
بہت سے فوٹو لیے گئے۔ احباب میں پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی وغیرہ
بہت متاثر معلوم ہوتے تھے۔

عزیزوں میں میاں سید علی صاحب رونے کے قریب تھے۔ میرا بچہ
علی محمد سلمہ ماشاء اللہ بڑا متحمل ہے۔ وہ ایسے مواقع پر بشاش رہنے کی
کوشش کرتا ہے مگر ان تمام لوگوں کے تاثرات نے آخر میں اس
کو بھی متاثر بنا دیا۔ وہ اگرچہ ضبط کے ساتھ خاموش کھڑا رہا۔ مگر
چہرے پر اثرات نمودار تھے اور تمام جسم پسینہ سے تر بتر تھا۔ میں نے
گرمی پر محمول کر کے پنکھا منگوا دیا اور پنکھا جھلا جانے لگا۔ پانی بھی پلوایا۔
مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ قلبی تکلیف کا اثر تھا۔ بہرحال امید ہے کہ وہ
انشاء اللہ جلدی بہل جائے گا اور اس مدت کو بسکون و اطمینان گزار
لے گا۔

گاڑی کافی منٹ لیٹ ہو گئی۔ میں نے کہا یہ آپ حضرات کے جذب
کا اثر ہے کہ گاڑی چھوٹ نہیں رہی ہے۔ بالآخر سوا آٹھ بجے بااس کے
بعد گاڑی چھوٹی اور کانپور کی طرف روانہ ہوئی۔

بمبئی تک کا راستہ

لکھنؤ سے سیکنڈ[۱] کلاس کا ڈبہ جس میں ہم تھے
تقریباً خالی ہی تھا اور اناؤ میں تو بالکل ہم

[۱] اس زمانہ کا سکنڈ جو اب فرسٹ کلاس کہلاتا ہے

اکیلے ہی رہ گئے۔ یہ وحدت بھی باعث وحشت ہوتی ہے۔
کانپور سے خیر پھر کچھ آگئے۔ راستے میں بھی کوئی ہجوم نہیں ہوا۔
پورا راستہ سکون وعافیت ہی سے گزرا۔
عید کے ایک دن قبل جو بارش ہوگئی تھی اس کا اثر بھی راستے بھر
محسوس ہوتا رہا۔ شب کو تو کافی خنکی ہوگئی اور دن کو بھی زیادہ گرمی نہیں
ہوئی۔

بمبئی پہنچ گئے

صبح کو ۷ بجے بمبئی پہنچ جانا چاہیے تھا، مگر
راستے میں تھوڑا تھوڑا کر کے گاڑی تقریباً
دو گھنٹے لیٹ ہوگئی۔ اس لیے ۹ بجے پہنچی۔
عبدالہادی سکندر صاحب نے خلیل احمد صاحب جامعی کو تار دیدیا
تھا یہ ہمارے یہاں یونیورسٹی سے فاضل ادب پاس کر چکے ہیں۔
انھوں نے اپنے صاحبزادے کو اسٹیشن بھیجدیا تھا مگر یہ تو بعد کو ملے پہلے
ہی پلیٹ فارم پر جناب سید محمد اظہر صاحب زائر سیتاپوری نظر آئے
جو اپنے ریاستی ضرورت سے دو تین دن ہوئے بمبئی آئے ہیں اور
میرے لینے کو اس وقت اسٹیشن تشریف لے آئے، ان کو دیکھ کر بڑی
مسرت ہوئی۔
باقی اور کسی دوست کو میں نے بمبئی میں اطلاع ہی نہیں دی تھی
جامعی صاحب کے صاحبزادے معاذ جامعہ ملیہ دہلی میں تعلیم
پاتے ہیں اور سال گزشتہ سیرت النبیؐ کے جلسہ میں جامعہ میں جو

maablib.org

تقریر ہوئی تھی اس میں شریک تھے، اس لیے مجھے دیکھ کر پہچان گئے وہی مجھے مسافر خانہ لے گئے۔ زائر صاحب بھی ساتھ ساتھ رہے۔

مسافر خانہ

یہ مسافر خانہ جہاں ہمارا قیام ہوا، سابو صدیق کا مسافر خانہ کہلاتا ہے۔ یہ حجاج سے مخصوص ہے یہاں تک کہ حاجیوں کو پہنچانے جو ان کے عزیز یا دوست آئیں ان کو پہلے ساتھ ٹھہرنے کی اجازت تھی مگر اب انھیں بھی مسافر خانہ میں قیام کی ممانعت ہو گئی ہے۔ انھیں کہیں اور ٹھہرنا چاہیئے، صرف حاجی یہاں ٹھہر سکتے ہیں، اور تقریباً ایک ہزار حجاج کے قیام کی گنجائش ہے۔ مسافروں میں کوئی تفریق برتی نہیں جاتی بلکہ بڑے بڑے کمروں، ایوانوں اور برآمدوں میں جہاں جس کو جگہ مل سکے وہیں جگہ دے دی جاتی ہے۔ علاحدہ علاحدہ ایسے کمرے نہیں ہیں جو انفرادی طور پر دیے جائیں۔

یہاں خوبی یہ ہے کہ مغل لائن کا آفس جہاں سے جہاز کا ٹکٹ ملتا ہے، چیچک کے ٹیکے اور ہیضہ کے انجکشن کا اسپتال، پاسپورٹ ملنے کا دفتر سب یہیں موجود ہیں۔ صرف انکم ٹیکس کلیرنس سارٹیفکٹ کے لیے دور جانا پڑتا ہے مگر اس کی ضرورت فقط فرسٹ کلاس کے مسافروں کے لیے ہوتی ہے۔ عام مسافروں کے لیے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ٹکٹ کا روپیہ

یہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ ہے کہ جہاز کے ٹکٹ کا روپیہ جس میں سے سو روپیے پہلے بھیجے جا چکے ہوتے ہیں اب پورا داخل کر دیا جائے۔

پہلے میں نے خیال کیا تھا کہ اعجاز صاحب آجائیں تب یہ کام ہو۔ اعجاز احمد صاحب ایم اے یہ ہمارے یہاں یونیورسٹی میں ہمارے ہی ساتھ شعبۂ عربی و فارسی کے تیسرے مدرس ہیں۔

ان سے مجھے لکھنؤ میں مراحل سفر کی تکمیل میں کافی مدد ملی۔ اسٹیشن پر بھی روانگی کے وقت موجود تھے اور صبح کو میل سے بمبئی کے لیے روانہ ہونے والے تھے اور کہا تھا کہ بمبئی کے جو کام ہوں گے انھیں میں ہی آکر کر دوں گا۔

مگر چونکہ لاؤڈ اسپیکر سے بار بار یہ اعلان ہو رہا تھا کہ جو لوگ ۲۶ اپریل کو محمدی جہاز سے جانے والے ہوں وہ اپنا روپیہ جلد جمع کر دیں اس لیے اس کام کے لیے میں نے اعجاز صاحب کے آنے کا انتظار نہیں کیا بلکہ خود دفتر چلا گیا۔ یہاں روپیہ جمع کرنے کے لیے سو روپیے کی رسید جو مغل کمپنی سے جاتی ہے وہ دکھانا چاہیئے۔ اور اسکے ساتھ یہ یزر دیشن سرٹیفیکٹ دکھانا چاہیئے۔ مگر ہمیں چونکہ ویٹنگ لسٹ میں جگہ ملی تھی ریزرویشن نہیں ہوا تھا اس لیے ہم سے مغل کمپنی کا وہ تار مانگا گیا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ ۲۶ کے جہاز سے آپ جا سکتے ہیں۔ اگر یہ تار ساتھ نہ ہوتا تو ٹکٹ ملنا دشوار تھا۔

تار دیکھنے کے بعد بارہ سو تین روپیے بارہ نئے پیسے ہم سے مانگے گئے جسکے داخل کرنے کے بعد ایک ہزار تین سو تین روپیہ بلدہ پیسہ کی رسید مل گئی۔ یہ محمدی جہاز کے فرسٹ کلاس کا آمد و رفت کا کرایہ ہے جس کے

ساتھ کھانے کی قیمت بھی شامل ہے۔

پلگرام پاس

اس سفر کے لیے پلگرام پاس کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس بجائے پاسپورٹ کوئی موجود بھی ہو تو وہ سفر حج کے لیے یوں بے کار ہوتا ہے کہ اسے ویزا کے لیے دہلی کے سعودی سفارت خانے بھیجا جاتا ہے اور اس میں کوئی پندرہ دن صرف ہو جاتے ہیں۔ اس میں مصارف بھی زیادہ ہوتے ہیں اور طوالت بھی، لہٰذا پلگرام پاس اس سفر کے لیے بہر حال ضروری ہے۔

اب اعجاز صاحب بھی آ چکے ہیں۔ وہ ۳ بجے کے قریب پہنچے ہیں۔ ان کے ساتھ پاسپورٹ کے دفتر گیا مگر اس دفتر کا وقت آج ختم ہو رہا تھا۔ اس لئے دوسرے دن دس بجے دن کے بعد یہ مرحلہ طے ہوا جس میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوا۔

طبی معائنہ

چیچک کا ٹیکا اور ہیضہ کا انجکشن ہم لکھنؤ میں لے چکے تھے اور اس کا سرٹیفکیٹ موجود تھا مگر یہاں اس کے معائنہ اور تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں بھی کافی وقت صرف ہوتا ہے مگر ہمارے لیے یہ مرحلہ یوں آسان ہو گیا کہ ڈاکٹر متین نیازی صاحب جن کا کلام اکثر سرفراز میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ وہ گورنمنٹ ہند کی طرف سے میڈیکل مشن کے رکن کی حیثیت سے حجاز جا رہے ہیں۔ یہ مولانا اختر علی صاحب تلہری کے دوست ہیں اور مولانا ہی سے ان کو میری روانگی کا علم ہوا تھا۔ انھوں نے میری صورت دیکھ کر پہچان

لیا اور ڈاکٹری کام پورا نہایت عجلت سے انجام پاگیا۔

انکم ٹیکس کلیرنس سارٹی فیکٹ

لکھنؤ کے انکم ٹیکس آفس سے یہ سارٹیفیکٹ مل چکا تھا مگر اسی کی بنا پر یہاں سے دوسرا سرٹی فیکٹ ملتا ہے جس کے بغیر سفر ممکن نہیں چنانچہ اعجاز صاحب کے ساتھ یہ سارٹی فیکٹ لینے گئے جس میں پہلے تو کچھ وقت پیدا ہوئی مگر اس محکمہ کے افسر اعلیٰ شیخ عبداللہ صاحب ہمارے اعجاز صاحب کے ہم جماعت اور لکھنؤ کے متوطن ہیں، جس وقت دفتر پہونچے ہیں اتفاق سے وہ موجود نہ تھے اس سبب دشواری تھی اتنی دیر میں وہ آگئے تو انھوں نے گھنٹی بجائی، کاغذات منگائے اور بس دس پندرہ منٹ میں سب کام تیار تھا۔

پاسپورٹ فیس

سہ پہر کو ہم نے آٹھ روپے پاسپورٹ فیس کے داخل کیے اور اب ایک سلپ ہمارے سپرد کرکے پاسپورٹ رکھ لیا گیا کہ کل ۲۵ اپریل کو یہ ٹکٹ کے ساتھ ملے گا۔ سنا ہے کہ اس دوران میں یہ حکومت سعودی کے دفتر میں ویزا کے لیے بھیجا جائے گا اور اس مرحلہ کی تکمیل ہو جائے گی۔ اب اس کے بعد کوئی کام کرنے کو نہیں رہ گیا بس اب ۲۵ کی سہ پہر کو ٹکٹ اور پاسپورٹ کا ملنا ہے اور انشاء اللہ ۲۶ کو جہاز پر روانہ ہو جانا۔

زائر صاحب سے وداعی ملاقات

۵ شوال، ۲۵ اپریل۔ جمعہ

جناب سید محمد اطہر صاحب

زائر سیتاپوری روز ایک دفعہ آتے تھے، آج دو مرتبہ تشریف لائے اسلیے کہ انھیں آج لکھنؤ جانا ہے۔ ان کا خیال تو یہ تھا کہ مجھے جہاز پر سوار کر کے یہاں سے روانہ ہوں۔ مگر ۲۶؍ کو کسی گاڑی میں رزرویشن کے لیے جگہ نہیں ہے، مجبوراً آج ہی کا رزرویشن کرا لیا ہے۔ رات کو ایکسپریس سے چلے جائیں گے۔ میں نے دن کو سفرنامہ کی پہلی قسط تیار کر لی اور رات کو جب الوداعی ملاقات کے لئے وہ تشریف لے آئے تو میں نے پیام اسلام کے لیے وہ قسط ان کے سپرد کر دی تاکہ جلد ہی پہنچ جائے۔

دلچسپ

مسافرخانہ میں ہم سے متصل ایک طرف ضلع میرٹھ کے ایک ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب کا خاندان ہے جس میں متعدد افراد زن و مرد ہیں اور ایک طرف ریاست مالوہ کے تین چار افراد ہیں جو اب مدھیہ پردیش میں شامل ہے، یہ سب مثل تمام مسافرخانہ کے مقیم مسافروں کے سواد اعظم ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں ایک میں ہی ہوں جو اقلیتی جماعت کا نمائندہ ہوں۔

پہلے افراد زن و مرد سب تقریباً جدید نہیں مگر قدیم تعلیم یافتہ ہیں عورتیں بھی پردہ دار ہونے کے ساتھ ترتیل و تجوید سے تلاوت قرآن مجید کرتی ہیں اور مالوے والے لوگ بیچارے بس معمولی نوشت و خواند تک واجبی ہی واجبی تعلیم رکھتے ہیں۔

یہ سب لوگ عموماً مجھے "مجتہد صاحب" کے لفظ سے یاد کرتے ہیں اور بہت ادب و احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں مگر مالوے والوں میں ایک

maablib.org

مردِ مسن نہ معلوم کیوں مجھے "منشی جی" کہہ کے مخاطب کرنے لگے تھے۔ غالباً اس لیے کہ مجھے اکثر اوقات لکھتے پڑھتے دیکھا کرتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ کام منشیوں کا ہے۔ خیر اصل لطیفہ یہ نہیں ہے۔

لطیفہ یہ ہے کہ آج رات کو یہ مجھ سے بڑے خلوص کے ساتھ کہنے لگے کہ "منشی جی، ہم لوگ حج کو تو جا رہے ہیں، وہاں ڈھیلوں کا کیا ہوگا؟ میں نے کہا کیوں کیا دشواری ہے؟ کہا وہاں تو سب پتھریلی زمین ہے ڈھیلے ہوتے ہی نہیں اور یہاں سے اتنے ڈھیلے لے جانا ممکن نہیں جو اتنی مدت کے لیے کافی ہوں۔"

میں حیران تھا کہ ان بیچارے کو اس کا کیا حل بتاؤں۔ میں نے کہا آخر وہاں کے لوگ کیا کرتے ہیں؟ کہا "وہ کیا، وہ تو بے پروائی سے پانی ڈال لیتے ہیں۔" میں نے کہا "تو پانی سے کیا طہارت نہیں ہوتی؟" کہا، "آخر پیشاب کے بعد دس بارہ منٹ تک تو پیشاب کے قطرے آتے ہی رہتے ہیں۔" میں نے کہا "اگر دس بارہ منٹ تک بیٹھا رہا جائے۔ اور اس کے بعد پانی ڈالا جائے تو؟" کہنے لگے بے شک یہ ترکیب آپ نے بہت عمدہ بتائی اور بہت خوش ہوئے، کہا "بس یہی کیا کریں گے۔"

اب سنیئے یہ تو بیچارے جاہل قسم کے آدمی تھے۔ وہ ڈاکٹر صاحب جو ڈاکٹر ہی نہیں ہیں، اپنے ساتھ والوں کو مسائل حج کی تعلیم بھی دیا کرتے ہیں، خوشنویس بھی ہیں، چنانچہ میرے بستر پر میرا نام بڑی خوشخطی کے ساتھ خود اپنی خواہش سے لکھ دیا اور کہتے تھے کہ خوشخطی مجھے ایک سید صاحب

نے سکھائی تھی جن کا ہمارے گھر میں بڑا احترام تھا۔ یہ بھی کہا کہ یہ سادات کا گھر اس قصبے میں ہمارے بزرگوں نے بسایا تھا، اس سے میں سمجھا کہ یہ زمیندار طبقہ کی فرد ہیں اور اپنے قصبہ کے خاندانی رئیس ہیں مگر اس کے باوجود فقہی اختلافات سے اتنے ناواقف ہیں کہ صبح کو بنظر محبت مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ کو کچھ ڈھیلوں کی ضرورت تو نہیں ہے؟ میں نے کہا جی نہیں۔ آپ کا شکریہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ماشاءاللہ اپنے پورے خاندان کی اتنی مدت تک کی ضرورت سے بھی زیادہ ڈھیلے لے کر چلے ہیں جب ہی تو وہ میری بھی صلاح کر رہے تھے۔

لمحۂ فکریہ ان لوگوں کو آخر یہ سوچنا چاہیئے کہ شریعت اسلام ابتداءً ملک حجاز میں ہی نافذ ہوئی تھی۔ اگر ڈھیلوں کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس کی تعمیل اسی حجاز کی سرزمین پر نہیں ہو سکتی تو اس سے خود ظاہر ہے کہ یہ اصل شریعت محمدیہؐ کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔

ٹکٹ مل گیا ۶ شوال، ۲۶ اپریل، شنبہ ــــ کل کئی تقاضے کیے، آج صبح سے بھی دو پھیرے کیے، آخر آٹھ بجے صبح کے قریب پاسپورٹ مع ٹکٹ کے مل گیا۔ اب سب چیزیں ضروری اس میں ایک ساتھ منسلک ہیں۔ (۱) پاسپورٹ جس کے ایک صفحہ پر حکومت سعودیہ کی طرف کا ویزا ہے۔ (۲) ٹیکے اور انجکشن کے ڈاکٹر کا سارٹی فیکٹ (۳) انکم ٹیکس کلیرنس سارٹی فیکٹ (۴) فرسٹ کلاس کا ٹکٹ، احتیاطاً ہر مسافر کو لازم ہے کہ پاسپورٹ کا نمبر اپنے پاس نوٹ کرلے چنانچہ میرے پاسپورٹ کا نمبر B II 36 ہے۔

جہاز کی تیاری

پہلے ہی دن جب مسافر خانے پہنچے تو جس قلی نے
گاڑی سے سامان اتارا اور جائے قیام پہ پہونچایا اس نے
سامان کے ہر عدد پر اپنا نمبر ڈال دیا، ۱۱۸- آج صبح کو آکر اس نے کہدیا تھا
کہ ۱۰ بجے میں سامان لینے آؤں گا، اس لیے دس بجے تک ہم نے سب سامان
درست کر لیا۔ وہ حسب وعدہ ۱۰ بجے آیا اور سامان لے گیا اور ہمیں ہدایت
کر گیا کہ آپ ۱۲ بجے آییے گا

عجیب اتفاق

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ہم نے بمبئی میں کسی کو اطلاع
نہیں کی تھی۔ یہاں آنے کے بعد چار دن میرا قیام
ہوا مگر یہ عجیب بات تھی کہ اس چار دن میں کسی سے ان میں سے ملاقات
نہیں ہوئی ورنہ اگر ایک سے ملاقات ہو جاتی تو سب کو خبر ہو جاتی، مگر
آج آخری دن بالکل چل چلاؤ کے وقت ہم گرفتارِ محبت ہو گئے۔ یوں کہ
اب بستر وغیرہ تو ہمارا سب جا ہی چکا تھا دو گھنٹے ٹہل کر ہی گزارنا
تھے۔ عبدالہادی سکندر صاحب کے نمائندہ یعقوب صاحب نے کہا تھا کہ ۱۱½ بجے
میں ٹیکسی لے آؤں گا اسی وقت گودی کے لیے روانہ ہو جائیے گا مگر مسافر
خانہ کے باہر نکلا تو اعجاز صاحب مل گئے انھوں نے کہا کہ اس وقت جا کر
کیا کیجیے گا۔ کسٹم ایک بجے کے بعد شروع ہو گا بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس وقت
میرے ساتھ میرے جائے قیام پر چلیے۔ میں نے حج کمیٹی کے چیرمین گول
انداز صاحب سے طے کر لیا ہے کہ میں بھی اپنا سامان گودی پر لے
چلوں گا اور عین وقت پہ جگہ خالی ہو گی تو کوشش کروں گا کہ مجھے ٹکٹ

مل جائے اور آپ ہی کے ساتھ میں بھی روانہ ہو جاؤں۔ چنانچہ میں اعجاز صاحب کے ساتھ ان کے جائے قیام پر جو ذرا ہی دور تھا جا رہا تھا کہ ایک دفعہ سامنے سے معجز حسین صاحب نوگانوی آتے ہوئے نظر آئے۔ یہ یہاں کے میرے مخلصین میں سے ہیں۔ گزشتہ مرتبہ جمادی الاول میں میری مجالس میں شرکت کے لیے حیدرآباد بھی گئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی حیران رہ گئے اور بس اب ہم گرفتار محبت ہو گئے۔ وہ اپنے ساتھ مجبور کر کے اپنے دفتر لے گئے۔ وہاں رضی الدین حیدر صاحب کے دوست اور دوست محمد رضا صاحب بھی موجود تھے۔ مجھے اور اعجاز صاحب کو ایک ایک گلاس لیمن پینا پڑا۔ پھر معجز حسین صاحب میرے ساتھ جہاں مجھے کچھ دیر ٹھہرنا تھا وہاں تک گئے اور پھر جا کر تھوڑی ہی دیر میں سلامت رضوی صاحب کو لے آئے۔ انھوں نے اطلاع نہ دینے پہ اور زیادہ تکلیف کا اظہار کیا۔ مجبوراً مجھے وعدہ کرنا پڑا کہ واپسی میں انشاء اللہ ضرور اطلاع دوں گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ کوئی تقریب کا پروگرام نہ رکھیں۔ اسے انھوں نے بادل ناخواستہ منظور کیا چنانچہ انھوں نے تار اور خط دونوں کے پتے لکھ کر میرے سپرد کر دیے۔

یہ دونوں آدمی اپنے دفتروں سے کام چھوڑ کر آئے تھے اس لیے مجبوراً رخصت ہو گئے۔

کسٹم

ایک بجے کے بعد ٹیکسی پر اعجاز صاحب اور ان کے سامان کے ساتھ روانہ ہوئے، گودی پر کسٹم گھر پہنچے۔

فرسٹ کلاس والوں کے لیے سامان کی جگہ الگ ہے جہاں

معدودے چند افراد کا سامان رکھا ہے اندر تھرڈ کلاس والوں کا سامان الگ
ہے جہاں چیکنگ شروع ہو چکی تھی۔
دیر کے بعد ایک افسر ادھر آ گیا، سب سے پہلے سرکاری میڈیکل مشن
کے سامان کی سرسری جانچ ہوئی اور ڈاکٹر متین نیازی صاحب نے اپنے
یہاں کے سامان کے بعد ہی میرا سامان رکھوا دیا، میں نے ایک ہی بکس کا قفل
کھولا تھا کہ افسر نے بغیر ڈھکنا کھولے ہوئے بکس پر پاس ہونے کا نشان بنا دیا۔ پھر
میں نے قفل بھی نہیں کھولا اور سب سامان پر کھٹا کھٹ نشان بنتے چلے گئے اس
طرح یہ کام دو چار منٹ میں ہو گیا۔ اسکے بعد ڈاکٹر کا معائنہ تھا اسمیں دیر ہوئی
اسلیے کہ فرسٹ کلاس والوں کے لیے علاحدہ انتظام نہیں ہے۔ آخر اس مرحلے
سے بھی فرصت ہوئی اور ہم جہاز پر پہنچ گئے۔

اعجاز صاحب نہیں جا سکے

اعجاز احمد صاحب نے مجھ کو جہاز کے اوپر تک پہنچا کر کہا کہ اب
میں جا کر اپنے لیے آخری کوشش کرتا ہوں کہ عین وقت پر کوئی صورت
نکل آئے نہیں تو پھر گودی میں آکر جہاز کے نیچے سے آپ کو الوداع کہوں
گا۔ چنانچہ ان کے جانے پر میں نے نماز ظہر عصر سے فراغت کر کے جہاز کے
کنارے پر آکر ان کا انتظار شروع کیا اس وقت چار بج چکے تھے ا
جہاز ۶ بجے چھوٹنے والا تھا۔
گودی پر اندر آنے کی صرف سو آدمیوں تک کو اجازت تھی چنانچہ
اندر اتنی ہی تعداد میں لوگ تھے مگر حد نظر تک کوٹھوں پر اور نیچے جہاز

maablib.org

تک جہاز کا سامنا ہو سکتا تھا آدمی ہی آدمی تھے جن میں ایک حصہ ایسے لوگوں کا ہے جو اعزا کو رخصت کرنے آئے ہیں۔ باقی ہزارہا آدمی صرف جذبۂ اسلامی سے حجاج کو رخصت کرنے آئے تھے جنھیں دو تین گھنٹے دھوپ میں کھڑا رہنا پڑا۔ یہ وحدت اسلامی کا مظاہرہ بڑا شاندار تھا۔

ہم ہر آئندہ کو دیکھ رہے تھے کہ اعجاز صاحب نظر آئیں مگر سب دکھائی دیتے تھے۔ وہی نہیں۔

یہاں تک کہ وہ زینہ بھی جس سے مسافر چڑھ رہے تھے بالا کپتی سے اٹھا کر زمین پر رکھ دیا۔

اب بالکل آخر وقت اعجاز صاحب آتے نظر آئے، بحال پریشاں چہرہ اداس۔ اشارہ سے کہنے لگے کہ میرے لیے کچھ نہیں ہوا۔ پھر قریب آکر بتایا حالانکہ سات جگہیں مسافروں کی خالی جا رہی ہیں، مگر گول انداز صاحب نے مجھے نہیں جانے دیا، ان کے صدمہ و ملال کا مجھ پر بھی بڑا اثر ہوا مگر چارہ ہی کیا تھا

جہاز روانہ ہو گیا

آخر بالکل مغرب کے قریب بالا کپتی نے ایک چھوٹے زینہ کو بھی جو لگا ہوا تھا علاحدہ کر دیا۔

اب زمین سے جہاز کا رابطہ ختم ہوا، بھونپو نے آواز بلند کی اور جہاز ساحل سے علاحدہ ہونا شروع ہوا۔

یہ منظر بس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

جہاز کے چھوٹتے ہی ہزاروں کے مجمع نے جو ساحل پر تھا نعرہ تکبیر بلند

کیا اور جب تک جہاز حد نظر کے سامنے رہا ہاتھوں کے اشارے سے الوداع
کہتے رہے۔

آخر فاصلہ بھی زیادہ ہوا اور رات کی تاریکی نے بھی پردہ ڈالا جہاز
والے عرشہ سے واپس آکر اپنے اپنے ٹھکانوں پر گئے۔

جہاز

یہ جہاز جس پر ہم سوار ہیں "محمدی جہاز" ہے۔ مغل لائن کے
جہازوں میں یہ دو جہاز محمدی اور مظفری سب میں بڑے
ہیں۔ ہر ایک میں ۱۴۵۰ حاجیوں کی جگہ ہوتی ہے۔ رفتار بھی تیز ہے ماشاء اللہ
حجاج کی اتنی کثرت ہے کہ اس پہلے ہی جہاز میں تقریباً سب جگہیں پر ہو گئیں
اس کے بعد ہی ۲۹ کو مظفری جانے والا ہے اور اس کے بھی ٹکٹ فروخت
ہو چکے ہیں۔

ڈیک کا کرایہ آمد و رفت کا ساڑھے پانچ سو ہے اور فرسٹ کلاس
کا مع طعام تیرہ سو تین روپئے بارہ پیسے اور اس کے اوپر ڈیلکس کیبن ہیں
جن کا کرایہ اس سے پچاس روپے زائد ہے۔

فرسٹ کلاس کے ہر کیبن میں دو مسافر ہوتے ہیں چنانچہ ہمارے
ساتھ نمبر ۳ کیبن میں مدراس کے محمد ابراہیم صاحب بی اے ایل ایل بی
وکیل ہیں جن کا تجارتی کاروبار بھی تاس اور مسواک کا بڑے اعلیٰ پیمانہ
پر ہے اس سے تھوڑے فاصلہ پر نمبر ۳۲ میں ڈاکٹر متین نیازی صاحب
ہیں جن کے ساتھ مدراس کے ڈاکٹر مقدم صاحب ہیں جو اسی میڈیکل کمیشن
کے رکن ہیں۔ متین صاحب کے توسط سے ان ڈاکٹر صاحب کو بھی جا

maablib.org

تعارف ہوگیا ہے اور شاید انہی کے توسط سے محمد ابراہیم صاحب کو
چنانچہ وہ میرا بہت خیال کرتے ہیں۔

صبح سویرے بڈی ملتی ہے جس میں ایک پیالی چائے اور ۲ بسکٹ
ہوتے ہیں پھر ۷ بجے ناشتہ جو ہم لوگوں کی ضرورت سے بہت زیادہ ہوتا
ہے کیونکہ اس میں چائے، توس، مکھن، جیلی اور انڈوں کے علاوہ جو میں
کھا پی لیتا ہوں، چپاتیاں اور قیمہ وغیرہ بھی ہوتا ہے جو میں ناشتہ کے
وقت بالکل نہیں کھاتا، اور وکیل صاحب بھی تھوڑا ہی سا کھاتے ہیں۔
یہ سب یونہی واپس جاتا ہے۔ جہاز والوں سے تعارف نہیں ورنہ دل
چاہتا ہے کہ جہاز پر کوئی غریب و محتاج معلوم ہوتا تو یہ کھانا اسے دے دیا جایا
کرتا کیونکہ قیمت تو اس کی ہم ادا کر ہی چکے ہیں اور وہ سب ہمارے حساب میں
محسوب ہے چاہے ہم کھائیں اور چاہے نہ کھائیں۔ ۱۲ بجے کے قریب کھانا آتا
ہے اس میں بھی متعدد چیزیں ہوتی ہیں اور ذائقہ کے لحاظ سے کم از کم بمبئی
کے ہوٹلوں سے بہتر آتا ہے، یہ بھی اتنا ہوتا ہے کہ کافی مقدار میں بچتا ہے
سہ پہر کو پھر چائے آتی ہے جو میں نہیں پیتا۔ پھر رات کو آٹھ بجے کے قریب
کھانا ہوتا ہے۔ یہی نظام روز کا ہوتا ہے۔ بے شک غذاؤں میں تنوع
پیدا ہوتا رہتا ہے۔

صرف مچھلی میں احتیاطاً نہیں کھاتا اس لیے کہ اس میں بغیر چھلکے والی
ہونے کا شبہہ ہوتا ہے باقی احتیاط کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ حجاج کے
جہاز میں سب کام کرنے والے مسلمان ہی رکھے گئے ہیں اور اس اعتبار

سے بلکہ عموماً ہر اعتبار سے مغل لائن نے حاجیوں کے لیے جو انتظامات کیے ہیں وہ عمدہ ہی ہیں۔ صرف پائخانے فرسٹ کلاس کے اس جہاز میں ذرا باعث زحمت ہیں کیونکہ مغربی قسم کے کموڈ میں آلگ سے قدمچے لگا کر مشرقی بنانے کی کوشش کی ہے جس سے وہ نتیجتہً مغربی تو نہیں ہیں مگر مشرقی بھی نہیں ہو سکے ہیں، اس کے اصلاح کی ضرورت ہے اس کے علاوہ باقی سب ضروریات کا مناسب انتظام ہے۔

بس اب جہاز کے روزانہ کے حالات کا لکھنا بے کار ہے کیونکہ کوئی خاص بات نہیں ہے، نہ جہاز کو بیچ میں کہیں رکنا ہے نہ درمیانی کوئی منزل ہے۔ یہ سیدھا جدہ جا رہا ہے اور وہیں آخر ~~اسے~~ اسے پہونچنا ہے۔ میرے ساتھ لکھنے پڑھنے کا سامان اتنا موجود ہے کہ مجھے وقت گزاری کی کوئی دقت نہیں۔ ورنہ وقت کاٹنا مشکل ہو جائے۔

جہاز پر فرسٹ کلاس میں زیادہ تر بمبئی کے سنی خوجے اور میمن وغیرہ ہیں چنانچہ ان کے ملا گجراتی زبان میں انھیں مسائل حج کا روز درس دیتے ہیں۔ روزانہ سہ پہر کو لاؤڈ اسپیکر پر ایک صاحب اردو میں مسائل حج سمجھاتے ہیں تمام اذانیں لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں اور جہاز کے جتنے درجے ہیں سب میں نماز با جماعت ہوتی ہے۔ اپنے علم میں صرف میں ایک ہوں جو اپنے اوقات پر نماز الگ پڑھتا ہوں، صبح و شام اور مختلف اوقات میں جہاز کے کنارے پر جا کر تھوڑی دیر کے لیے سمندر کو دیکھ لیتا ہوں جو میرے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

مذہبی گفتگو ڈاکٹر متین نیازی صاحب کے متعلق پہلے سے معلوم ہے کہ وہ ایسے سنی ہیں کہ سرفراز کے مستقل خریدار ہی نہیں بلکہ معاون خصوصی رہے ہیں۔ ان کے ساتھ مدراس کے ڈاکٹر مقدم صاحب ہیں۔ یہ معلوم ہوا اہلِ حدیث والے خیالات کے ہیں۔ ڈاکٹر متین صاحب نے ایک دن مجھ سے کہا کہ مقدم صاحب بعض مذہبی مسائل پر آپ سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کل شام کو انھوں نے خود بھی کہا۔ میں نے کہا بہتر ہے۔ صبح کو ناشتے کے بعد۔ چنانچہ دوسرے دن ناشتے کے بعد میں خود ان کے کمرے میں چلا گیا۔ دیکھا کہ کشمیر کے ڈاکٹر صاحب جو بڑے سرجن ہیں اور اس میڈیکل مشن میں سری نگر سے آئے ہیں، وہ بھی تشریف رکھتے ہیں۔

مقدم صاحب نے کچھ اپنی بات چھیڑنا چاہی تھی کہ ان ڈاکٹر صاحب نے آج کل کا یہ مشہور تصور پیش کر دیا کہ قرآنی آیت۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اس کی دلیل ہے کہ نجات مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر مذہب کے موحد اور نیکوکار لوگ نجات کے حقدار ہیں۔"

میں نے کہا یہ خیال بڑی شدت و قوت کے ساتھ بعض ترقی پسند افراد نے پیش کیا ہے مگر وہ درست نہیں ہے

آیت یہ کہہ رہی ہے کہ چاہے پیدائشی مسلمان ہوں اور چاہے

وہ ہوں جو پہلے یہودی تھے یا نصرانی یا صائبین اب معیار نجات سب کے لیے ایک ہے کہ وہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر اختیار کریں جس کی تبلیغ پیغمبر اسلام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ یہودی یا نصرانی وغیرہ رہیں ہی گے نہیں بلکہ سچے مسلمان ہو جائیں گے اور اعمال صالحہ کے پابند بنیں، جن پر شریعت اسلام مشتمل ہے تو انھیں نجات ضرور حاصل ہو گی۔ اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ نجات بغیر قبول اسلام حاصل ہو جائے گی جبکہ دوسری جگہ قرآن مجید نے صاف کہا ہے ہ وَمَن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین کہا۔ قرآن مجید نے بار بار کہا ہے مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب اور توریت کی تعریف کی ہے کہ فیھا ھدی ونور اور اہل کتاب سے مخاطب ہو کر ارشاد کیا ہے — لستم علی شیئ حتی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والے سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کا سچا پیرو بنے"

میں نے کہا" یہ اس لیے کہ اگر وہ سچا پیرو ان کتابوں کا بن جائیگا تو بغیر مسلمان ہوئے رہ نہیں سکتا، اس لیے کہ اُن کتابوں میں اس رسول کے اوصاف اس طرح تشریح کے ساتھ موجود تھے کہ قرآن کہتا ہے کہ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم اور آج تحریف شدہ بائبل میں بھی" وہ نبی" کے آنے کی پیشین گوئی صاف موجود ہے۔ پھر یہودی اگر توریت پر واقعی عامل ہوگا تو "وہ نبی" کو کیوں نہیں مانے گا اور مسلمان کیوں

نہیں ہو جائے گا اور انجیل سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ وہ نبی نہیں تھے اور یوحنا نے کہا "وہ نبی تو ایسا ہے کہ میں اس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل نہیں ہوں۔ پھر عیسائی انجیل پر عامل کب ہیں جبکہ "وہ نبی" کو ماننے سے منحرف ہیں۔

بات اتنی صاف تھی کہ ڈاکٹر متین صاحب اور مقدم صاحب دونوں خوب سمجھ گئے مگر ان ڈاکٹر صاحب نے کہا یہ تو آپ نے ایک توجیہ کی ہے۔ قرآن کے الفاظ کو دیکھنا چاہیئے کیا ہیں؟ میں نے کہا میں نے قرآن کے الفاظ کے خلاف کون بات کہی ہے؟ متین صاحب نے کہا تسکین نہ ہوئی ہو تو مزید تشفی کر لیجئے چونکہ میرا قاعدہ ہے کہ جسے میں سمجھ لیتا ہوں کہ یہ سمجھنا نہیں چاہتا اس کے سمجھانے کی پھر کوشش نہیں کرتا۔ اس لیے میں نے کہا، جو صحیح نقطۂ نظر ہے وہ میں نے پیش کر دیا ہے۔ اب آپ فرصت کے موقع پر اس پر غور کر سکتے ہیں۔ انھوں نے بھی اب اس بحث کو جاری رکھنا نہیں چاہا بلکہ اب انھوں نے یہ پوچھا کہ قرآن میں ہے یوم یکشف عن ساق تو کیا اللہ روز قیامت اپنی پنڈلی کھولے گا؟ میں نے کہا۔ صحیح بخاری میں بھی ہے۔"

کہنے لگے میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے کہا سمجھ میں میری بھی نہیں آتا کیونکہ اس سے تو جسمیت باری تعالیٰ ثابت ہوتی ہے۔ کہا یہی تو مشکل ہے پھر کہا اچھا بتائیے کہ صحیح مفہوم اس کا کیا ہے۔

میں نے کہا قرآن مجید میں یکشف کا فاعل تو مذکور نہیں ہے وہاں

صیغہ مجہول ہے، جس میں فاعل مبہم ہوتا ہے۔
عرب کا یہ محاورہ ہے کہ مثلاً کہتے ہیں "قامت الحرب علیٰ ساقہا"
جنگ اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی۔ ویسے ہی یہاں یکشف عن ساق بطور
محاورہ ہے جس کا مطلب ہمارے محاورہ میں یہ ہے کہ "جس دن قیامت برپا
ہو گی" یہ بات ان کے بہت جلد ہی سمجھ میں آ گئی اور وہ شکریہ ادا کر کے
رخصت ہو گئے۔ اب مقدم صاحب کو اپنے سوالات پیش کرنے کا موقع ملا
کہنے لگے بعد وفات رسول شہادت امام حسینؑ تک کے حالات آپ سے سننا
چاہتا ہوں۔
میں نے کہا، سبحان اللہ! یہ پچاس برس کی پوری تاریخ اسلام ہے
جو آپ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں۔ اس کا بیان کرنا مختصر وقت میں کہاں
ممکن ہے، سوال کو اپنے کچھ محدود دینا ہے۔ ڈاکٹر متین نیازی صاحب نے
بھی میری تائید کی۔ اب انھوں نے کہا اچھا وفات رسولؐ کے فوراً بعد کے واقعات بتلائیے
اور خصوصاً دفن رسولؐ اور سقیفہ بنی ساعدہ۔ میں نے کہا آپ نے تاریخ اسلام کا
جو تلخ ترین باب ہے اسی کو پوچھ لیا۔ خیر مجملاً میں نے بیان کیا۔ ڈاکٹر متین صاحب نے
کہا۔ حضرت علی اور حضرات خلفاء کے تعلقات تو خوشگوار رہے۔
میں نے کہا آپ نے ناخوشگواری کا تصور ہمارے ایسے بیت افراد کے
تنازعات کے لحاظ سے کیا ہے۔ یہاں ایک طرف سے خوشگواری یا ناگواری
کا حال درسیدۂ عالم سے پوچھیے۔ رہ گیا ادھر کا رویہ اسے تو فقط
عالی ظرفی کہا جا سکتا ہے۔ خوشگواری کا تصور غلط ہے اس کے علاوہ

(عالی ظرفی)

تعلقات کی خوشگواری کا فیصلہ اس سے کیجئے کہ حیاتِ رسول میں کوئی اہم معرکۂ جہاد جس شخص سے خالی نہیں ہے اس سے اس کے بعد کے اسلامی فتوحات میں سے جو باسمِ جہاد ہوئے ہیں۔ ہر معرکہ خالی ہے اور قرآن مجید کے جمع و تالیف کی ایسی اہم علمی مہم میں وہ شریک نہیں کیا جاتا ہے جو بالاتفاق سب سے بڑا عالمِ قرآن تھا۔

یہ بیان ہو رہا تھا کہ جہاز کے ہم سفروں میں ایک جو جماعت اسلامی سے کچھ وابستگی یا دلچسپی رکھتے ہیں آواز سن کر خود بخود داخل ہو گئے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ دیکھئے جو ہماری گفتگو کے پس منظر سے واقف نہ ہو وہ اس وقت سمجھ سکتا ہے کہ میں خواہ مخواہ جہاز میں ان فرقہ وارانہ تصورات کی تبلیغ کر رہا ہوں اور یہ غلط فہمی ایک فتنہ کی باعث ہو سکتی ہے۔ حالانکہ یہ بیان آپ کے استفسار پر شروع ہوا ہے۔

بہرحال یہ صاحب بھی بڑی دلچسپی سے گفتگو سننے لگے مقدم صاحب نے اس دوران میں احراقِ خانۂ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو بھی پوچھ ڈالا۔

متین صاحب نے کہا بہرحال یہ چودہ سو برس ادھر کی باتیں ہیں۔ اب ان کی بنا پر تفرقے کیوں رہیں۔ میں نے کہا، مگر ایک مسلمانوں کی زندگی کا بالکل زندہ سوال ہے وہ یہ کہ وہ شریعت میں اہل بیت کی رہنمائی تسلیم کریں جبکہ بلاشبہ اپنے جد کی شریعت سے واقف ان سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

maablib.org

مقدم صاحب نے کہا بے شک اسے تو متفق علیہ ہونا چاہیئے۔
میں نے کہا مگر ایسا کہاں ہے؟ کتابوں میں مسلم طور پر لکھا جاتا ہے کہ مذہب اہل بیتؑ یہ ہے اور پھر علمائے جمہور کا فتویٰ اور جمہور کا عمل اُس کے خلاف ہوتا ہے۔

اُنھوں نے کہا مثلاً؟ میں نے کہا مسلّم ہے کہ مذہب علی بن ابی طالبؑ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ جہر ہے۔ آج کل آپ جہاز پر نماز جماعت سے پڑھتے ہیں۔ دیکھ لیجئے کسی سورہ کے ساتھ بھی بسم اللہ ہوتی ہے؟

مسلم ہے کہ اہل بیت کا مذہب نماز میں ہاتھوں کا کھولنا ہے بلکہ امام دار الہجرہ امام مالک تک کا یہی مسلک ہے اور عملدرآمد اس کے خلاف ہے۔ وغیرہ وغیرہ میں کہاں تک اس وقت شمار کر سکتا ہوں

جماعت اسلامی والے میری باتوں پر اس طرح سر ہلاتے رہے گویا وہ اس سب کے مؤید ہیں۔

مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

جدّہ کی آمد اور

اسباب کے لیے پریشانی

۱۲ شوال ۲۰؍ مئی ۔ جمعہ

میرے لیے آج سے شدید خلجان اور قلبی پریشانی کا دور شروع ہوا۔

لکھنؤ سے یہ سنتا رہا تھا کہ جدّہ میں سامان یوں اترتا ہے کہ مسافر صرف پاسپورٹ ہاتھ میں لے کر اپنے سامان کو اس کی جگہ پر چھوڑ کر جہاز سے نیچے اتر جاتا ہے اور پھر حکومت سعودیہ کے مزدور تمام سامان بالا کیبنوں میں رکھ کر انھیں لاریوں میں بھرتے ہیں اور لے جا کر کسٹم میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح چودہ پندرہ سو حاجیوں کا تمام سامان مخلوط ہو جاتا ہے۔ جب میں اسے سنتا تھا تو ایک تردد لاحق ہوتا تھا، اب آج لاؤڈ اسپیکر پر ایک تو یہ اعلان ہوا کہ شام کو ۶ بجے جہاز یلملم کے مقابل پہنچ جائے گا، جو یمن والوں کا میقات ہے اور اس طرف سے جانے

والوں کی محاذات میں واقع ہوتا ہے لہٰذا ایک سائرن آدھ گھنٹے پہلے
ہوگا جسے سن کر حاجیوں کو تیاری شروع کر دینا چاہیے اور پھر ایک
سائرن عین وقت پر ہوگا اس پر احرام باندھ لینا چاہیے۔ دوسرے
حاجیوں کو اس اعلان سے تردد ہوا۔ اس لیے کہ ۷ بجے کے معنی ہیں عین
مغرب کا وقت تو اس وقت نماز احرام کیوں کر پڑھی جائے گی اور احرام
کیوں کر بندھے گا اور اس کے پہلے یہ مشکل ہے کہ عصر کے بعد سے مغرب تک
کوئی نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ ان کے یہاں حدیث ہے لا صلوٰۃ بعد العصر
خیر ان لوگوں نے اس مشکل کو یوں حل کر لیا کہ احرام بہت پہلے ہی
سے باندھ لیے حالانکہ ہمارے یہاں احرام قبل میقات درست نہیں ہے
مگر ان کے یہاں یہ مسئلہ نہیں ہے۔ بہرحال میں ان سب سے یوں علاحدہ
تھا کہ مجھے پہلے مدینہ منورہ جانا تھا لہٰذا یہاں سے احرام کا سوال
ہی نہیں پیدا ہوتا، پھر ہمارے علماء نے تحقیق کیا ہے کہ خود جدہ بھی
یلملم کے مقابل ہی ہے، اس لیے وہاں پہنچ کر احرام باندھ لیا جائے
تو درست ہے۔ جہاز پر راستے میں ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یہ فکر
دوسرے اعلان سے پیدا ہوئی اور وہ یہ تھا کہ کل جہاز جدہ
پہنچے گا۔ کسی کو اپنے ساتھ میں کوئی چیز لے کر اترنے کی اجازت نہیں ہوگی
سب سامان حکومت سعودی کے مزدور اتاریں گے اور کسٹم میں پہنچا دیں
گے، اس اعلان کے معنی یہ تھے کہ کوئی ہینڈ بیگ وغیرہ تک اپنے ہاتھ میں
کوئی نہ لے جا سکے گا پھر یہ کہ یہ اعلان بڑے ہولناک انداز میں کیا گیا

کئی دفعہ ہوا، مجھے سب سے زیادہ فکر اپنی کتابوں کی تھی۔ لکھنا پڑھنا تو میرا جزوِ حیات ہے دو چار دن کا سفر بھی بغیر کتابوں کے نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ یہ ماشاءاللہ تین مہینے کا سفر اس لیے میں اپنے ساتھ اتنی لایا جو اس تین مہینے کی مدت کے لیے کافی ہوں۔

پہلی چیز تو اس سفر ہی کے لیے کئی مہینے قبل سے مرتب کرنا شروع کی تھی اور وہ ترتیب کے ساتھ احکامِ حج اس کا نام میں نے رکھا "ملتقطات احکام الحج" انتصار و مبسوط شیخ الطائفہ سے میں تمام اقتباسات بطور ایک مرتب کتاب کے لکھ چکا تھا جو ڈیڑھ سو صفحات میں ہیں اور سرائر ابن ادریس سے بعض اضافے ہو رہے تھے کہ سفر شروع ہو گیا تو:

۱۔ اپنی لکھی ہوئی کتاب ملتقطات ساتھ لی ——— اور

۲۔ سرائر ابن ادریس۔ تاکہ اس کے اقتباسات درج کیے جائیں۔ پھر

۳۔ مسائل شریعت۔ یہ میرے تقریباً تیس برس کے لکھے ہوئے جوابات مسائل کا کوئی ایک ہزار صفحات میں مجلد مجموعہ ہے اسمیں حج کے مسائل کا کافی ذخیرہ ہے پھر یہ کہ اس سے اکثر مسائل شریعت مرتب کر کے پیام اسلام میں بھی دیتا ہوں۔

۴۔ دوسرے پارے کی تفسیر نصف لکھ چکا ہوں۔ ارادہ کیا کہ اس سفر میں انشاءاللہ باقی نصف مکمل کر دوں گا۔ اس کے لیے لکھا ہوا تفسیر کا حصہ بھی ساتھ لیا اور ایک تفسیر بیان القرآن ساتھ لی۔ تاکہ آئندہ کے لیے ایک مختلف نظریہ بھی سامنے رہے جس کی رد کی

جاسکے اور صحیح نقطۂ نظر متعین کرنے میں مدد ملے۔

۵۔ ترجمہ و حواشی کا پہلا پارہ جو لاہور میں چھپا ہے اس پر نظر ثانی اور تصحیح میں مشغول تھا، اس کے لیے دو کاپیاں اسی کے ساتھ رکھ لی تھیں، چنانچہ اس کام کو تو جہاز پر مکمل بھی کر لیا تھا۔

۶۔ اشتراکیت کی رد کے سلسلے میں کام کر رہا ہوں، اس کے ذیل میں امم سابقہ میں سرمایہ داری کا کیا حال رہا ہے اور گزشتہ شریعتوں میں اس ذیل میں کیا تعلیمات آئے ہیں؟ اس کے لیے بائبل دیکھ رہا تھا اور اس میں سے کافی اقتباسات لکھ چکا تھا۔ اسے بھی ساتھ لیا تھا۔

۷۔ جناب مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ کے حالات کے ذیل میں جو پیام اسلام میں شائع ہوئے ہیں ان کی ایک کتاب "ہات العذیر عن خیر الغدیر" پر عرصہ سے تبصرہ لکھ رہا تھا اور نا تمام تھا وہ اور ایک مجلد مجموعہ برادر عزیز سید محمد باقر صاحب شمس کی ملکیت کا جس میں یہ کتاب بھی ساتھ رکھ لیا تھا، چنانچہ یہ تبصرہ جہاز پر مکمل ہو گیا

۸۔ لاہور کی بین الاقوامی مجلس مذاکرہ میں جو مقالات پیش ہوئے ان کی تنقید میں نے لکھنا شروع کی۔ چنانچہ استاذ خلف اللہ ڈین فیکلٹی آف آرٹ اسکندریہ یونیورسٹی کے مقالہ "الحریۃ فی الاسلام" کی تنقید لکھ کر روانگی کے قبل "دعوت" دہلی کو بھیج دی تھی جس کا حال معلوم نہیں شائع ہوئی یا نہیں۔ دوسرا مقالہ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب آف پنجاب یونیورسٹی کا "اسلامی کلچر" کے موضوع پر زیر

تبصرہ تھا یہ تبصرہ بھی جہاز پر مکمل ہو گیا۔ اس کام کے لیے اس سلسلہ کے دوسرے مقالات جن پر تبصرہ ہوتا ہے جو عربی میں اس اجلاس میں تقسیم ہوئے تھے نیز طلوع اسلام" کا ایک شمارہ جس میں اسی سلسلہ کے بعض مقالات شائع ہوئے تھے۔ میرے ساتھ ہیں۔

۹۔ "حلقہ تعارف" جس میں احباب کے نام اندراج ہوتے ہیں اور کبھی مختصر حال درج کیا گیا ہے، اس کی پہلی جلد اتر پردیش کے نام اور پتوں کی ہے جس کے دو حصے مرتب ہو کر مجلد ہو چکے ہیں، تیسرا حصہ جو حرف جیم، مثلاً جونپور سے شروع ہوتا ہے زیر ترتیب تھا۔ اسے ساتھ لیا۔

۱۰۔ پیام اسلام کے لیے غیر مطبوعہ مضامین جنھیں دیکھ کر اشاعت کے لیے ایک قسط بھیج دی جاتی ہے جیسے مرزا حسین علی صاحب وظیفہ یاب حیدرآباد دکن کا "اخلاقیات" والا سلسلہ، مولوی سید حسن صاحب سلمہٗ (نجف شریف) کا مسلسل مضمون۔ خود میرا نیا زمانہ کی رد والا سلسلہ جس کے پہلے مضمون "بارگاہِ حقیقت میں نیاز کے سجدے" کا سلسلہ پیام اسلام میں جاری ہے۔ یہ سب بھی ساتھ تھے، چنانچہ جہاز پر ایک مجموعہ ان مضامین کا بھیجنے کے لیے مرتب بھی کر لیا اور باقی آئندہ کی قسطوں کے لیے ذخیرہ رکھا گیا۔

۱۱۔ کچھ مسائل و خطوط جن کا جواب باقی تھا وہ ساتھ رکھ لیے تھے۔

۱۲- سب سے آخر میں یہ کہ جو اخبارات میرے پاس آتے ہیں اُن کے ہر وقت مطالعہ کا موقعہ نہیں ملتا۔ ان کے فائل مرتب رہتے ہیں۔ اور سفروں میں انھیں دیکھتا ہوں، یہ تین مہینے کے اخبارات تمام تھے انھیں ساتھ رکھا تھا کہ تین مہینے میں ختم کر دوں گا۔ چنانچہ جہاز پر ایک مہینہ کے تو ختم ہو بھی گئے تھے ان میں کی جو کار آمد چیزیں تھیں ان پر ص کا نشان بنا کر الگ کر دیا تھا اور جو بے کار تھے ان پر × کا نشان بنا دیا، باقی دو مہینے کے فائل مرتب ساتھ ہیں۔

بلا شبہ یہ سب چیزیں عام آدمی کے لیے بہت زیادہ ہیں مگر جو شخص میرے پاس کبھی سفر یا حضر میں رہے وہ مشاہدہ کر سکتا ہے کہ میں ہر شے اتنے کام روزانہ کرتا رہتا ہوں اور جو کام جس زمانہ میں زیر دست ہوتے ہیں انھی سے متعلق چیزیں سفر میں ساتھ جاتی ہیں۔

اب جدہ میں سامان سے متعلق یہ اعلان بار بار ہو رہا تھا اس کی وجہ سے یہ سب چیزیں خطرے میں نظر آ رہی تھیں میں خود اپنے کو سمجھانا چاہتا تھا کہ جہاز میں اور کسی کو تو اس سے کوئی پریشانی نہیں۔ مجھ ہی کو کیوں پریشانی ہو مگر دن بھر دل کا عجیب عالم رہا۔ اب میں نے کہا کہ بڑی چیزوں کو تو کچھ کر نہیں سکتا تھا خود اپنی تحریر کردہ چھوٹی چیزوں کو جہاں تک ہو سکا الگ کیا کہ انھیں جس طرح ہو سکے گا جیبوں میں بھروں گا۔

پھر شام کے قریب ڈاکٹر متین صاحب وغیرہ نے کہا کہ ہینڈ بیگ وغیرہ چھوٹی چیزیں ہاتھ میں رکھنے کا حق ہے تب جو کچھ رکھنا ممکن ہوا پورا

میں رکھ لیا، مگر ضخیم چیزوں کا ظاہر ہے کہ پورٹ فولیو میں بھی سمانا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ اپنے تحریر کردہ "ملتقطات حج" کو رکھ لیا مگر سرائر ابن ادریس بکس میں رہی۔

۲۔ تفسیر کا آدھا پارہ جو میرا لکھا ہوا ہے اس کا مسودہ رکھ لیا مگر تفسیر بیان القرآن جو آئندہ تحریر کا سرمایہ تھی بکس کی نذر ہوئی۔

۳۔ مولانا سبط حسین صاحب قبلہ کی کتاب "ہات الغدیر" کا تبصرہ جو لکھا گیا ہے رکھ لیا مگر وہ کتاب مجلد جس کے ضمن میں یہ رسالہ ہے بکس کے حوالے رہا۔

۴۔ بین الاقوامی مجلس مذاکرہ کے مقالات اور ان پر تبصرہ اور طلوع اسلام کا رسالہ یہ سب محفوظ کر لیے۔

۵۔ پیام اسلام کے لیے جو مضامین دیکھ کر الگ کر لیے تھے کہ جدہ سے بھیج دیے جائیں گے اور ان میں سفرنامہ کی دوسری قسط بھی ہے یہ مضامین جیب میں رکھ لیے اور سفرنامہ کی گذشتہ اور آئندہ کاپیاں اور نیز باقی مسودہ بھی پورٹ فولیو میں رکھ لیا مگر باقی مضامین جن میں سب سے زیادہ قیمتی "من دیز وان" کا تبصرہ ہے بکس میں رہا

۔ گھر کے لیے جو خط جہاز میں لکھا ہے اور جدہ سے بھیجنا ہے یہ بھی جیب میں رکھا۔

۷۔ اخباروں میں صرف ۲ پرچے جو سردست دیکھ رہا تھا پورٹ فولیو میں رکھ لیے۔

۸۔ روزمرہ کا حساب جو برابر لکھتا ہوں۔ یہ رکھ لیا، باقی سرائیر اور بیان القرآن کے علاوہ جس کا بیان ہو چکا ہے، "مسائل شریعت" کی ایک ہزار صفحات کی ضخیم جلد بکس میں رہی۔ اور پیام اسلام کے لیے آئندہ مضامین کا ذخیرہ اور دو مہینے کے اخبار آثار کے فائل اور "حلقہ تعارف" کی ایک جلد اور ترجمہ قرآن پہلے پارہ کی تصحیح شدہ ایک مجلد اور ایک غیر مجلد کاپی یہ بکس میں اس لیے رہ گئی کہ اس کام کو مکمل کیا جا چکا تھا اس کے علاوہ بائبل تو بکس کے سپرد ہونا ہی تھی مگر یہ بھی فرد گزاشت ہوئی کہ اس میں سے وہ قلمی اوراق نہ نکال لیے جن پہ سرمایہ داری سے متعلق قرآن کی آیتیں جو بکثرت ہیں ذاتی مطالعہ و تلاش کے ساتھ درج کی گئی تھیں اور بائبل کے اب تک کئی سو صفحات جو دیکھے جا چکے تھے ان کے مکمل حوالے درج تھے۔

یہ پرچے جسامت میں تو زیادہ نہ تھے مگر کافی محنت و وقت کا ما حصل تھے ان کو بھی پورٹ فولیو میں رکھا جا سکتا تھا مگر ان کا خیال نہ رہا اور یہ بھی بائبل کے ساتھ معرض تلف میں چلے گئے۔

اب جو کچھ پورٹ فولیو میں رکھ لیا تھا اس کے لیے کچھ اطمینان ہوا کہ یہ محفوظ رہے گا، باقی جو کچھ بکس میں تھا اس کے لیے خطرہ تھا کہ

بکس دستیاب نہوا تو یہ تمام چیزیں چلی جائیں گی جس طرح کا خطرہ اور سب سامان کے لیے تھا مگر مجھے فکر اور سب سامان کی کچھ بھی نہ تھی جو کچھ فکر تھی وہ کتابوں کی تھی۔

اہل جہاز نے عصر کے پہلے سے احرام کے کپڑے پہن لیے اور لبیک کا شور کر دیا اس لیے کہ ان کے یہاں قبل میقات احرام باندھا جاسکتا ہے۔

عصر کی نماز کے کچھ بعد پہلا سائرن ہوا جس کے معنی یہ تھے کہ اب میقات قریب ہے اور مغرب کے بعد دوسرا سائرن ہوا جس کے معنی یہ تھے کہ اب جہاز بالکل یلملم کے سامنے سے گزر رہا ہے مگر وہاں احرام تو پہلے ہی سے بندھ چکے تھے۔

maablib.org

جدّہ کا کسٹم

کتابوں کے لیے بنوع دیگر پریشانی

خوبی تقدیر ما صورت نادر گرفت

۱۳ر شوال - ۳۱ مئی - شنبہ -

ہفتہ کی شام کو بمبئی سے روانہ ہوئے تھے اور آج ہفتہ کی صبح تھی - سات دن سے کم ہی میں محمدی جہاز نے پورا راستہ طے کر لیا تھا اور اب جدّہ بالکل قریب تھا - آج نماز صبح وغیرہ سے فراغت کے بعد ہی سامان مکمل طور پر باندھ دیا - خبر تھی کہ دس بجے جدہ پہنچنا ہوگا مگر ۱۰ بجے تو نہیں ۱۲ کے قریب جدّہ پہونچ گئے -

وہی ہوا کہ سامان سب اکٹھا کر کے اللہ پر چھوڑا، ایک ہاتھ میں پاسپورٹ اور دوسرے ہاتھ میں پورٹ فولیو لے کر نیچے اترے - کئی گھنٹے کسٹم تک جانے اور درمیانی مرحلوں سے گزرنے میں لگے اور اسباب کی تلاش میں بہت دیر تک پیر توڑے حالانکہ یہ سعی بے ضرورت ثابت

maablib.org

ہوئی اس لیے کہ فرسٹ کا سامان سب کے آخر میں آیا، اور تھوڑے ہی رقبہ کے اندر ذرا ذرا سے فاصلے پر سب چیزیں دستیاب ہو گئیں، یہاں تک کہ صراحی تک مسلّم طی اور ناشتہ دان کے ڈبے تک منتشر نہیں ہوئے۔ اس طرح جس خطرے سے مجھے ایک شب و روز تقریباً خواب و خور حرام ہو گیا تھا۔ وہ خطرہ دور ہو گیا مگر کیا معلوم تھا کہ فوراً ہی دوسرے خطرے سے دوچار ہونا پڑے گا، اور پہلے سے زیادہ پریشانی کا سامنا ہو گا۔ وہ یہ ہے کہ چار بجے سہ پہر کو جب سامان دستیاب ہوا تو اب اسے کسٹم آفیسر کی جانچ کے لیے رکھا گیا۔

عراق اور ایران ہر جگہ میرے ساتھ کتابوں کے ذخیرے گئے تھے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کتنی بدگمانیاں ہیں اور اس لیے کسٹم میں بھی سختی ہے۔ مگر ہر دفعہ پاکستان کے سفر میں بھی میرے ساتھ کتابیں اور اخبار ہوا کیے۔ لیکن کبھی کسی جگہ کتب اور اخبارات کو دیکھا نہیں گیا اس لیے اس بارے میں اس سفر میں بھی کسی خطرہ کا ذہن میں خطور (خیال) نہ ہوا اور اس لیے کل جب میں نے کتابوں میں قلب و انقلاب کیا تو اتنا بھی تو نہ کیا کہ کتابوں کو نیچے رکھتا اور کپڑوں کو اوپر بلکہ چونکہ الٹ پلٹ کتابوں میں کرنا تھی، لہٰذا بکس میں انھی کو سب سے اوپر رکھ دیا۔

اب جو افسر نے بکس کھولا تو کتابوں ہی پر نظر پڑی، اس نے کہا "اوہو۔ اس میں تو کتابیں ہیں۔ کیا معلوم کتنی ممنوع چیزیں ہوں، لہٰذا اس بکس کو یہاں چھوڑ دیا جائے، اس کی جانچ کل ہو گی، بلکہ

اس نے بکس کو بند کر کے اس پر لکھ بھی دیا فیہا کتب، یعنی اس میں کتابیں ہیں۔

"سنگ آمد و سخت آمد" اب اگر کہیں میرا پورٹ فولیو بھی کھلوا کر وہ دیکھ لے تو المیہ بالکل مکمل ہو جائے اس لیے کہ میری محنت و مشقت کی کئی چیزیں اسی میں تھیں مگر ان کتابوں کو روک کر وہ جیسے احساس فتح مندی سے مست ہو گیا اور سمجھا کہ اس شخص کی جان ہم نے لے لی، لہٰذا اب اس نے دوسری چیزوں کو دیکھا ہی نہیں اور جا کے اکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس جہالت پر ہر ایک کو حیرت ہونا چاہیئے کہ جو چیزیں رکی تھیں ان میں سادہ کاغذ بھی تھا۔

چونکہ مجھے عراق و ایران کا تجربہ تھا کہ وہاں فلسکیپ سائز کا سفید کاغذ عموماً نہیں ملتا بلکہ لکیریں کھنچا ہوا اس سے سائز میں چھوٹا کاغذ ملتا ہے اور میری اکثر کتابیں فلسکیپ سائز سے بنتی ہیں اس لیے میں نے بمبئی سے صرف ایک دستہ کاغذ کا خرید لیا تھا جس میں سے کچھ جہاز پر خرچ ہوا تھا باقی کتابوں کے ساتھ رکھا تھا۔ حجاز کے یہ قابل کسٹم افیسر صاحب اس کاغذ کو دیکھ کر بڑے چراغ پا ہوئے اور کہنے لگے یہ سادہ کاغذ بھی آپ اپنے ساتھ لائے ہیں گویا کہ حجاز میں کاغذ نہیں ہوتا چنانچہ یہ کاغذ بھی اشیائے ممنوعہ میں شامل ہو گیا۔

اتنی دیر میں معلم کا آدمی آ گیا اور مجھ سے پوچھا، اسباب کی جانچ ہو گئی؟ میں نے کہا جانچ کیا ہوئی؛ بس ایک بکس دیکھا اور اس

روک لیا، باقی سامان دیکھا ہی نہیں۔

اس نے جاکر آفیسر صاحب سے پوچھا کہ دوسرے اسباب کو کیا کریں؟ کیا یہ بھی اٹھالے جائیں۔ مجھے اس سے کیا مطلب؟ اس نے کہا جب تک پاس ہونے کا نشان نہ بنایئے گا دروازہ سے گزریگا کیونکر؟ اس پر اس نے بے دلی سے کہا، اچھا لاؤ اور یہ سامان بھی دیکھ لوں.

یہ چھوٹا بکس بسکٹوں، کھجوروں، نانپاؤ وغیرہ ناشتے سے بھرا ہوا تھا جو لکھنؤ سے چلتے وقت جہاز کے لیے ساتھ کیا گیا تھا اور جہاز پر ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے کھولا نہیں گیا مگر ایک مہینے کے اخباروں کا فائل میں نے اس بکس میں رکھ دیا تھا۔ اس لیے اسے کھولتے ہوئے میں نے کسٹم آفیسر سے کہا کہ کہیے تو کتابوں اور اخباروں کو سب کو اس بڑے بکس میں اکٹھا کر دیں اور دوسری چیزیں نکال لیں غنیمت ہے کہ وہ اس پر تیار ہو گیا ورنہ کتابوں کے ساتھ میرے کپڑے اور جامہ ہائے احرام وغیرہ بھی رہ جاتے مگر سچ پوچھیے تو مجھے ان کا دکھ نہ ہوتا کیونکہ وہ تو روپے کے خرچ سے دوبارہ فراہم ہو سکتے تھے مگر جو کتابیں رک گئیں وہ تو روپے سے فراہم نہیں ہو سکتیں۔

اس کی اجازت پر اب میں نے کپڑے وغیرہ سب نکال لیے۔ چالیس پچاس امام ضامن تھے جو لکھنؤ سے چلتے وقت بندھے تھے۔ وہ بھی نکالے مگر غالباً جلدی میں آٹھ دس اُس میں رہ گئے، ہمیانی جو احرام کے موقع کے لیے کمر پر باندھنے کو بمبئی سے خریدی تھی اور

جانماز وغیرہ۔ اب اس وقت انھیں کیا کیا جاتا۔ ان سب چیزوں کو نکال کر لنگی میں ایک گٹھری کی صورت سے باندھ لیا، ورنہ کتابوں کے ساتھ یہ سب چیزیں بھی ہاتھ سے چلی جاتیں۔

اس قلب و انقلاب کے بعد افیسر نے اس بکس پر اور کچھ اور چیزوں پر نشان بنا دیا۔

میرا پورٹ فولیو بحمد اللہ میرے ہاتھ میں رہا اس پر اُس نے نشان نہیں بنایا اور کسی نے اُس کو دیکھا بھی نہیں کہ نشان ہے یا نہیں؟ اس طرح بصد حسرت کتابوں کو وہاں چھوڑ کر میں باہر نکلا اسباب لاری پر لے جا کر رکھا گیا اور ایک بس پر کچھ مسافروں کے ساتھ ہم بیٹھے اور مدینۃ الحجاج پہنچائے گئے۔

maablib.org

مدینۃ الحجاج

اور

حاجیوں کی سہولت کے دیگر انتظامات

یہ مدینۃ الحجاج کیا ہے؟ یہ درحقیقت ایک مسافرخانہ ہے جو حکومت حجاز نے حجاج کے لیے بنوایا ہے، اس میں بڑے وسیع رقبہ میں کثیر التعداد ہال ہیں جن میں سے ہر ایک میں پچیس تیس آدمی رہ سکتے ہیں بعض جگہ اوپر نیچے دو منزلہ کمرے ہیں اس طرح اندازہ یہ ہے کہ چار پانچ ہزار حاجی بوقت واحد ٹھہر سکتے ہیں یہ اس غرض سے ہے کہ جب حاجی جدہ میں اتریں تو انھیں قیام کی پریشانی نہ ہو، بلاشبہ یہ انتظام حجاج کے لیے بڑا ہی راحت رساں ہے، حالانکہ یہ قیام مفت نہیں ہے بلکہ بمبئی میں جو جہاز کے ٹکٹ کی قیمت لی جاتی ہے اس میں جہاز سے کسٹم اور پھر کسٹم سے مسافرخانہ تک اسباب کی مزدوری اور بس نیز مدینۃ الحجاج میں قیام

کا کرایہ سب شامل ہوتا ہے مگر جہاز سے اتر کر یہ سب مفت ہی محسوس ہوتا ہے۔

مجھے اور بہت سے لوگوں کو عراق و ایران کے سفر میں اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ حمال کس طرح اسباب اٹھانے کے منھ مانگے دام لیتے ہیں اور لاریوں پر اسباب کا کتنا کرایہ لے لیا جاتا ہے۔ پھر بسوں کا کرایہ اگر بس والوں کی مرضی پر ہو تو العظمۃ للہ. یہاں ان میں سے ہر بات کی ذمہ دار گورنمنٹ ہو گئی ہے۔ اس طرح مسافروں کو بڑے سکون واطمینان کے ساتھ تمام مراحل سے فراغت ہو جاتی ہے اور جدہ میں جہاز سے اتر کر جائے قیام پر پہنچنے تک ایک پیسہ صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بے شک جہاز پر کچھ حمال پہنچ جاتے ہیں ان میں سے کسی کو کچھ ریال پرطے کر کے اگر ذمہ دار بنا دیا جائے تو بس اتنا فائدہ ہو گا کہ ہمیں سامان یکجا مل جائیگا۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈھنے کی ضرورت نہ ہوگی بس اس کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ بھی جا کر سامان اسی سرکاری لاری پر رکھیں گے جو گورنمنٹ کی طرف سے سامان کو کسٹم تک پہنچانے کی ذمہ داری ہے اور پھر کسٹم سے اٹھا کر اسے د بھی اسی لاری پر رکھیں گے جو مدینۃ الحجاج لے جانے والی ہے۔ پھر وہاں پہنچ کر وہ وہیں لے جا کر رکھیں گے جہاں بغیر ان کے سرکاری آدمی خود رکھ دیتے ہیں اس لیے کہ جدہ پہنچتے ہی کسٹم پہنچ کر آپ کو کچھ

maablib.org

معلم سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔ اگر آپ شیعہ ہیں اور یہ بتا دیجئے کہ ہم شیعہ ہیں تو شیعہ معلمین میں سے کسی ایک کے حساب میں آپ کو داخل کر دیا جائے گا اور جو شیعہ نہیں ہیں ان سے ان کا شہر و ضلع پوچھا جائے گا اور وہ اس شہر و ضلع کے معلم کے سپرد ہوں گے یا یہ خود اگر کسی معلم کا نام بتا دیں کہ ان سے وابستہ کر دیے جائیں گے۔

معلمین کو جدّہ جانے اور کنوینگ کرنے کی سرکاری طور پر ممانعت ہے مگر مختلف ممالک کے لیے معلمین کے وکلا مقرر ہیں اور ان وکلاء کے مدینۃ الحجاج میں دفاتر ہیں۔ دفتر یعنی آفس کو یہاں مکتبۂ کہا جاتا ہے۔ ان وکلا کے آدمی گمرک خانہ یعنی کسٹم گھر میں موجود رہتے ہیں۔ ادھر یہ امر منقح ہوا کہ یہ حاجی کس معلم سے تعلق رکھتا ہے فوراً اس وکیل کے آدمی نے جو اس معلم سے منسلک ہے اس حاجی کے پاسپورٹ پر قبضہ کر لیا جس سے مجھ ایسے وسواسی آدمی کو تو پاسپورٹ کے لیے بھی تشویش لاحق رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ پاسپورٹ غیر ملک میں ایک مسافر کے لیے گویا حیات و موت کا مسئلہ ہے مگر آپ کو کتنی ہی تشویش رہے۔ یہ پاسپورٹ اب آپ کے ہاتھ میں جدّہ کے قیام میں آئے گا نہیں، جب آپ تقاضا کریں گے تو کہد یا جائے گا کہ ابھی نہیں۔ مکہ یا مدینہ جب روانہ ہوں گے اس وقت مل جائے گا مگر حقیقت میں اس وقت بھی برائے نام ہی ملتا ہے یعنی موٹر پر بیٹھنے کے بعد پاسپورٹ ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ اب اسے موٹر

کے ڈرائیور کو دے دو لیجیے اب وہ ڈرائیور کے پاس چلا گیا، اس کے بعد پھر الجھتے رہیئے کہ کہیں عمداً یا سہواً ڈرائیور اسے غائب نہ کردے مگر کوئی فائدہ نہیں۔ اب جب آپ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ پہنچے گا اور بس سے اترنے لگیے گا اس وقت وہ پاسپورٹ آپ کے قبضہ میں آئے گا۔

یہ بھی درحقیقت مسافروں کے واسطے آرام و سکون ہی کے لیے ہے یعنی ایک نئے ملک میں پہنچنے کے بعد وہ پاسپورٹ نہ جانے کہاں کہاں جاتا ہے اور وہاں اندراج ہوتا ہے یہ جو زمانہ اقیام جدہ میں وہ وکیل کے پاس رہتا ہے تو وہ کہیں رہتا تھوڑی ہے۔ وہ پولیس میں گیا وہاں اندراج ہوا۔ پاسپورٹ داخلہ پر تاریخ لکھی گئی اس پر مہر ہوئی سفارتخانہ بھی گیا وہاں اندراج ہوا، پھر نکلتے کے وقت خروج درج ہوا۔ پھر وزیاد کے پاس چلا گیا وہ اسلیے کہ مکہ یا مدینہ جہاں جاتا ہے وہاں کا داخلہ اس پر درج ہوا، اب وہ آپ کو ان سب مراحل سے گزر کر واپس ملتا ہے۔ لیکن اگر آپ کے پاس یہ پاسپورٹ رہتا تو آپ کو خود ہر جگہ دوڑنا پڑتا اور ناواقفیت کی وجہ سے جس جزو کی کمی رہ جاتی وہاں پھر پھنسنا پڑتا۔

انسانی انتظامات کی ظاہری پریشانیوں میں جبکہ خیر و برکت کے ایسے پہلو مضمر ہوتے ہیں جنھیں ناواقف آدمی نہ سمجھتے ہوئے لے بس بلا وجہ کی پریشانی ہی سمجھیگا تو خالق متعال کے تقدیرات میں جو ظاہری ناخوشگوار پہلو ہیں ان کے تحت میں عظیم نعمت و رحمت

کے اسباب مضمر ہوں تو کیا تعجب ہے۔

وہ جو مدینۃ الحجاج کے ہال میں ان میں سے ہر ایک ہال وقتی طور پر کسی ایک معلّم سے متعلق ہو جاتا ہے اور حمالوں کو ان کا علم ہوتا ہے لہذا جتنے حاجی اس معلم سے وابستہ ہیں ان کا سامان لاری سے اتار کر اسی معلم کے ہال میں لے جا کر رکھدیا جاتا ہے اور پھر حاجی بھی وہیں پہنچا دیا جاتا ہے اور وہ اپنے اسباب کا جائزہ لے کر اسے ترتیب سے رکھتا اور اپنا بستر بچھا لیتا ہے۔

عبد الہادی سکندر اور اُن کے بھائی شاکر سکندر مکہ معظمہ کے معلمین ہیں۔ مولوی گنج لکھنؤ میں ان کے دفتر ہیں۔ پہلے دونوں بھائی ساتھ کام کرتے تھے، اب کچھ عرصہ سے الگ الگ ہو گئے ہیں۔

عبد الہادی سکندر نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ایک امتحان غالباً فاضلِ ادب کا پاس کیا ہے، اس لیے وہ ایک طرح مجھے اپنا استاد سمجھتے ہیں لکھنؤ سے جہاز میں جگہ حاصل کرنے کا کام انہی کے ذریعہ سے ہوا۔ حالانکہ انھوں نے مجھ سے کہدیا تھا کہ وہاں جا کر آپ بہر حال کسی شیعہ معلّم کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ مگر بمبئی میں ان کے کارندہ میاں یعقوب نے میرے پاسپورٹ پر عبد الہادی سکندر معلم کے نام کی تختی لگا دی۔ جدہ میں کسی نے شیعہ سنی پوچھا نہیں بس پاسپورٹ پر عبد الہادی صاحب کی تختی دیکھ کر وہ پاسپورٹ

مصطفی البسیونی وکیل کے آدمی کے سپرد کر دیا گیا۔
اس جہاز پر عبدالہادی سکندر کا کوئی دوسرا حاجی میرے سوا نہیں تھا۔ ہاں شاکر سکندر کے کئی آدمی تھے چونکہ وکیل دونوں کا مشترک ہے اس لیے ان کے پاسپورٹ بھی اسی آدمی نے لیے اور ہم لے جا کر اس کمرے میں جہاں عبدالہادی اور شاکر صاحبان کے مشترک حجاج مقیم ہونے والے تھے پہنچا دیے گئے۔ ہمارا سب سامان وہاں رکھا ہوا ملا، صرف حجابی باہر تلاش سے ملی اس کے علاوہ ایک وہ بکس نہ تھا جس کی داستان غم کا ایک حصہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ حالانکہ ابھی تو مصطفی البسیونی نے اور رجب حسن نے اس بکس کا حال سنا ہی کہا کہ کوئی بات نہیں، کل کتابوں کے دیکھے جانے کے بعد وہ مل جائے گا اس لیے کوئی خاص تردد تو ابھی تک نہیں تھا۔ مگر کچھ نہ کچھ ذہنی تکلیف ضرور تھی رات کو نیند بہت دیر میں آئی۔ شروع میں مچھر تھے مگر بجلی کا پنکھا موجود تھا۔ نصف شب کے بعد ایسی سردی ہو گئی کہ پنکھا بند کر دینا پڑا تو چادر اوڑھ لی اس طرح مچھر دن سے نجات مل گئی۔ تقریباً آخری نصف رات یا اس سے کم سو کر بسر ہوئی۔

جان بچی لاکھوں پائے

سرگردانی وحیرانی اور نتیجہ میں ناکامی

۴ شوال، ۴ مئی، یکشنبہ

نماز صبح پڑھنے کے بعد مصطفی بسیونی کے دفتر گئے، کتابوں کی فکر دامن گیر تھی۔ معلوم ہوا کہ ایک بجے یا ڈیڑھ بجے کسٹم آفیسر اپنے محل پر آئیں گے اس وقت چلنا ہوگا۔

اب گھڑی کا حساب بدل گیا ہے، ممالک عربیہ میں سب میں بلکہ ایران میں بھی ۱۲ بجے غروب آفتاب ہوتا ہے اور پھر ۱-۲-۳ کر کے رات کے گھنٹے شروع ہوتے ہیں۔ آج کل رات چھوٹی ہے اس لیے تقریباً ۱۰ بجے صبح ہو جاتی ہے اس طرح ایک بجے کے معنی ہمارے یہاں کے تقریباً ۹ بجے صبح کے ہوئے۔ بس اس حساب سے ایران اور عراق میں مانوس ہو چکا ہوں اس لیے مجھے اس سے وحشت نہیں ہوتی ہے۔

غرض ڈیڑھ یا دو بجے مصطفی بسیونی کا آدمی ہمارے ساتھ ہوا اور ہم وہیں جہاں اسباب دیکھا گیا تھا پہنچے، بکس رکھا ہوا تھا۔ افیسر سے ہم

کے متعلق کہا۔

خیال تھا کہ یہیں معمولی طریقہ پر دیکھ کر بکس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ مگر اس نے کہا ہم کتابوں کو کیا سمجھیں؟ یہ محکمۂ صحافت و نشر کے افیسر کی نظر سے گزرنا چاہئیں۔ وہ ان کے متعلق فیصلہ کریں گے۔

اب دیکھیے کہ یہ اصولاً کتنا غلط تھا۔ صحافت و نشر کا معاملہ ہر ملک میں اس ملک کے مفادات یا وہاں کے باشندوں کے رجحانات سے وابستہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں جانچ کا معیار اور ہونا چاہیے ایک مسافر اپنے ساتھ جو لاتا ہے وہ اس مسافر کی ضرورت اور ذوق کے موافق ہوتا ہے۔ اس کی جانچ کو محکمہ صحافت و نشر سے کیا تعلق؟

اس آدمی نے جو ہمارے ساتھ تھا اس محکمہ کا پتہ دریافت کیا معلوم ہوا اس کا دفتر اس کسٹم گھر سے باہر تھوڑی دور پر ہے چنانچہ یہاں سے وہ ہمیں لے کر اس دفتر گیا۔ یہاں کے افیسر صاحب ابھی موجود نہ تھے تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا اس کے بعد وہ آئے۔ انھیں پرچہ دیا گیا کہا، کتابیں یہاں لے آؤ، ہمارے ساتھ ایک مزدور بھی گیا تھا کہ بکس طے تو یہ اسے اٹھا کر ساتھ لائے۔ یہ مزدور اس وکیل کے آدمی کے ساتھ گیا اور بکس کو لے آیا۔

اس محکمہ کے آفیسر مذہبی علماء ہیں اس لیے یہ صاحب بھی جو کرسی پر تھے کسی درجہ کے علماء میں محسوب تھے، میں نے اتنی دیر میں ان سے یہ پوچھ لیا کہ کیا کتابوں کا ساتھ لانا مطلقاً ممنوع ہے؟ انھوں نے کہا نہیں

میں نے کہا پھر کون کتابیں ہیں جو ممنوع ہیں۔ کہا دلائل الخیرات وغیرہ ایسی کتابیں جن میں توسل وغیرہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا میرے ساتھ اس قسم کی تو کتابیں نہیں ہیں۔ کہا خیر آنے دیجئے، اتنی دیر میں بکس آگیا بمبئی میں ہمارے دوست سید محمد اطہر صاحب ناثر نے یہ خطرہ ظاہر کیا تھا کہ آپ ردّ وہابیہ میں بڑی شدت سے کتب اور مضامین لکھ چکے ہیں اور گویا اس سلسلہ میں جہاد کرتے رہے ہیں۔ اس کا کچھ اثر تو نہ ہوگا؟ میں نے کہا تھا میں کوئی نمایاں طور پر تھوڑی جاؤں گا۔ چنانچہ یہی خیال تھا کہ میں اپنی شخصیت کو کہیں نمایاں نہیں ہونے دوں گا مگر اب یہ کتابوں کی جانچ کا مرحلہ جو درپیش ہو گیا تو اسے کیا کیا جاتا کہ ان کتابوں میں میری بعض مصنفہ مطبوعہ اور قلمی کتابیں تھیں اور ان میں میرا نام پورے تشخصات کے ساتھ لکھا تھا تو اب غیر نمایاں ہونے کا منصوبہ کہاں پورا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس آفیسر نے شروع میں ایسے اخلاق کا ثبوت دیا تھا کہ میں سمجھا تھا وہ کتابوں کو سرسری طور پر دیکھ کر لے جانے کی اجازت دے دے گا۔ پھر یہ میری سادگی اس وقت عجیب تھی کہ مجھے سرزمین حجاز کے خصوصی تقاضوں کا جیسے کہ علم ہی نہ تھا۔ حالانکہ انھیں میرے ذہن میں ہونا چاہیے تھا۔ اب اسے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اذا جاء القضا عمی البصر اور چوں قضا آید طبیب ابلہ شود، میں اس وقت بالکل اسی تصور میں تھا کہ تمام ممالک میں مذہبی کتابیں بے ضرر سمجھی جاتی ہے، اس لیے میں نے بڑی صفائی

سے فوراً نکال کر مذہبی چیزیں دکھلانا شروع کیں۔
سب سے پہلے قرآن مجید کا مطبوعہ مترجم پارہ اس سے بڑھ کر میرے نزدیک بے ضرر چیز کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی مگر اس میں صفحہ اول پر میرے نام کے ساتھ سید العلماء و فخر المحققین کی لفظیں تھیں، انہی کو دیکھ کر اس کا دماغ خراب ہو گیا۔ کہا اچھا آپ سید العلماء اور فخر المحققین ہیں، یعنی چہ؟ میں نے کہا، یعنی چہ کیا؟ یہ تو ناشر کی طرف کے الفاظ ہوتے ہیں۔ کہا اچھا اس کتاب میں ہے کیا؟ میں نے کہا اور کیا ہے؟ قرآن ہے اور اس کا ترجمہ، کہا علیٰ مذہب الشیعہ؟ میں نے کہا قرآن کے معنی میں تو کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ کہا اچھا کچھ تو فرق ہے ہی، اس کے بعد وہ چپ ہو رہا مگر اب اس کے تیور خراب ہی تھے۔
سرائر ابن ادریس کو دیکھا اس میں حج کے باب میں میری نشانی رکھی ہوئی تھی، میں نے اسے دکھایا اس کے لیے کہ اس کے ساتھ لیجانے کی وجہ کیا ہے؟ آپ کتاب کھول کر مطالعہ فرمانے لگے مگر اس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ فقہ ہمارے یہاں بلاشبہ اتنے اونچے پیمانہ پر ہے کہ دوسرے مذاہب کی فقہ کی منتہائی کتابوں کا معیار ہمارے یہاں کی ابتدائی کتابوں کی سطح پر ہے۔
تھوڑی دیر تک کتاب دیکھنے کے بعد کہا آپ لوگوں کے یہاں کتابوں میں تضاد ہے۔ حکم حلق و تقصیر کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد ہر شے حلال ہو جائے گی سوا عورتوں کے تیا ثم یطف طواف النساء یعنی عورتیں

طواف کریں تو اس پر عورتوں سے مقاربت جائز ہو جائے گی، چاہے یہ خود طواف نہ کرے، میں نے سمجھانا چاہا کہ آپ مطلب نہیں سمجھے ہیں، ہمارے یہاں خود ایک طواف ہے جس کا نام طواف النساء ہے۔ اس طواف کا کرنا عورتوں کے لیے بھی لازم ہے اور مردوں کے لیے بھی ہوتا ہے۔ عبارت مذکورہ میں اختصار کی بنا پر طواف النساء کو طوافھن کی لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک طواف النساء نہ کرلے عورتوں سے مباشرت جائز نہ ہوگی، مگر یہ بات ان حضرت کی سمجھ میں نہ آئی وہ اپنی اڑاتے رہے، پھر کہنے لگے ہاں آپ کے یہاں متعہ بھی تو جائز ہے میں نے کہا متعۃ الحج پر دور والے سب ہی عامل ہیں۔ اس میں بظاہر تو متعہ کی بحث سے گریز تھی مگر سمجھنے والے کے لیے اس میں ایک مطلب تھا وہ یہ کہ جناب خلیفہ دوم نے ایک ہی جملہ سے دونوں متعوں کی تحریم کی تھی، متعتان کانتا علی عہد رسول اللہ انا احرمھما مگر ان میں سے ایک یعنی متعۃ الحج پر تمام مسلمانوں کا آج تک عمل ہے پھر متعۃ النساء سے مخالفت کے کیا معنی؟

اپنے نزدیک انھوں نے ایک کامیاب اعتراض اور تعریض کرنے کے بعد اس کتاب کو بند کر کے رکھا۔ اب میرے مسائل کی ضخیم کتاب "مسائل شریعت" کی نوبت آئی۔

کہا، یہ کیا ہے؟ اب انھیں سمجھانا تو تھا ہی کہ یہ کیا ہے؟ کہا اچھا آپ شیعوں کے مفتی ہیں اور اتنی کثرت سے فتوے دیتے ہیں۔

میں نے کہا جو مسائل آتے ہیں ان میں جو محفوظ رکھنے کے مستحق ہوتے ہیں انہیں نقل کر لیا گیا ہے۔ کہا تو آپ اسے شائع کریں گے؟ میں نے کہا مجاز نہیں تو اشاعت کرنا نہیں ہے۔

کہا تو یہ آپ کے ساتھ کیوں ہے؟ میں نے دکھلایا کہ اس میں بھی حج کا باب ہے۔ یہاں بھی ممکن ہے کچھ لوگ ایسے آئیں جو مجھ سے مسائل حج دریافت کرنا چاہیں اس لیے اس کو اپنے ساتھ رکھ لیا ہے پھر ممکن ہے خود اپنے عمل میں بھی مراجعہ کی ضرورت ہو کہ اس بارے میں کیا تحقیق کر چکا ہوں کہا، "معقول"، غالباً یہ طنزیہ طور پر تھا۔

اب اس افسر کے رنگ ایسے خراب تھے جس سے بڑے خطرناک نتائج ظہور پذیر ہو سکتے تھے۔ اس نے وکیل کے آدمی سے کہا کہ یہ حرم میں بغیر احرام باندھے کیوں کر داخل ہو رہے ہیں؟ اس نے کہا یہ پہلے مدینہ جائیں گے، کہا تو پھر احرام کیوں نہیں باندھا؟ اس نے کہا کہ احرام مدینہ سے واپسی میں باندھیں گے۔ اس بات میں لاجواب ہو کر بلند آواز سے کہنے لگا، میں ان کتابوں کے بارے میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا قرآن محرف، فقہ باطل و کتب ضلالۃ یہ سب ہیں کیونکر جانے دے سکتا ہوں، ۲ بجے بعد ظہر (تقریباً ۲ بجے دن) ہمارے بڑے شیخ آئیں گے وہ اس کے بارے میں کچھ فیصلہ کریں گے۔

مصطفیٰ بسیونی کے ملازم نے مجھ سے کہا چلیے ۲ بجے پھر آئیں گے، اب جو میں واپس آیا تو مجھے معاملہ کی نزاکت کا شدید احساس تھا

meablib.org

اب خیال ہر ممکن ہولناک نتیجہ تک جانے لگا۔ میرے خیال میں بات اب کنٹم کی نہ تھی۔ اب تو یہ مولویوں کے ہاتھ کا معاملہ تھا اور جب یہ چھوٹا مولوی اتنا تنگ نظر تھا تو وہ اس کا بڑا شیخ جو آئے گا وہ کیسا ہوگا؟

میرے ساتھ کی چیزیں کتابیں یا اخبار سب اپنے لیے تھے اس کے لیے نہ تھے کہ کسی دوسرے مختلف مذہب والے ملک کے محکمۂ صحافت ونشر کے معیار پر پورے اتریں۔ اخباروں میں پنجاب کے اخبار بھی ہیں جن میں شدت سے مناظرانہ مضامین ہوتے ہیں، پھر اگر بد اعتمادی بلکہ عناد پہ بات آگئی تو طرح طرح کے الزامات بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ جاسوس ہونے کا بھی اور کسی دوسرے مذہب کے مبشر ہونے کا بھی جس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ داخلۂ حرم بند کر دیا جائے جو اس وقت قتل سے بڑھ کر تکلیف دہ بات ہے۔

اس سب کے مقابل میں سوا خدا کے یہاں مددگار بھی اور کون ہے؟

آخری کوشش

اور

اُس کی ناکامی

۷ بجے کے بعد تک کا وقت کچھ نہ پوچھیے کیونکر گزرا۔ جدہ میں
اس وقت اپنے شناسا ایک ڈاکٹر متین نیازی صاحب تھے، مدینۃ
الحجاج میں ہمارے جائے قیام کے قریب ہی "المستوصف الھندی"
(انڈین ڈسپنسری) تھا، مگر وہاں اس وقت وہ موجود نہ تھے یہاں
جدہ کے لیے ڈاکٹر مقدم صاحب مقرر ہوئے ہیں وہ موجود تھے۔
ان سے مجملاً واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا شام کو ڈاکٹر متین صا
آئیں گے۔ میں بھی ان سے ذکر کروں گا اور آپ بھی اسی وقت
آ جائیے گا تو ملاقات ہو گی۔ یہاں حکومت ہند کے سفیر مصطفیٰ کامل
قدوائی ہیں۔ یہ آفاق صاحب کے پرانے دوستوں میں ہیں اور عسکری
صاحب آکشیز چوکھی پر ۱۲ ربیع الاول کو کئی سال سے میلاد کرتے
ہیں اور میرا بیان ہوتا ہے۔ ان کے اور زیادہ دوست
عسکری صاحب نے میری لکھنؤ سے روانگی کے وقت اسٹیشن پر مجھ

بتایا تھا کہ انھوں نے قدوائی صاحب کو دو خط لکھے ہیں۔ پہلے خط میں جہاز کا نام نہیں تھا تو دوسرا خط لکھا جس میں اس جہاز کا جس سے میں روانہ ہو رہا تھا نام بھی لکھ دیا ہے اس لیے خواہ مخواہ مجھے کچھ تصور تھا کہ وہ جہاز کے پہنچنے کے بعد خود میرے جویائے احوال ہوں گے مگر ایک بڑے منصب پر پہنچنے کے بعد دوستوں کے خطوط کا لحاظ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

جدہ میں ڈاکٹر متین نیازی صاحب نے اتفاقی طور پر اپنے حالات سفر کے ذیل میں ان سے میرا ذکر کر دیا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ تھے تو انھوں نے فرمایا کہ ہاں ان کے لیے تو میرے پاس خط آیا ہے مگر وہ مجھ سے ملے نہیں۔

میں یہاں کل شام کو پہنچا اور اس کتابوں کی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تو ملنے کا وقت کہاں تھا۔

بہر حال گھڑی میں کئی کئی دفعہ دیکھنے کے بعد بڑی مشکل سے سات کا وقت قریب آیا۔ پھر مصطفیٰ النبیونی کا آدمی ساتھ ہوا اور پھر راہ مقصد میں گام فرسائی جس میں قدم سے زیادہ قلب میں جنبش تھی عموماً اہم مواقع پر جاتے وقت میں نصر من اللہ و فتح قریب پڑھ لیا کرتا ہوں مگر اس وقت تو یا علی مدد اور ناد علیا مظہر العجائب ایسے جتنے الفاظ یاد آ رہے تھے وہ سب زبان پر تھے اور یوں سمجھنا چاہیے کہ یہاں کے ملکی مذہب کے مطابق شرک کے جتنے اقسام

ہیں ان کا ارتکاب کیا جا رہا تھا جس کا خوشگوار اثر بھی محسوس ہوا۔
اور مشاہدہ میں آیا اول تو یہ کہ زوال کے ایک گھنٹہ بعد کا ایسا سخت
وقت اور ایسے بے وقت اس دفتر کے قریب پہنچتے ہی ایک دم آنکھوں
کے سامنے ڈاکٹر متین نیازی صاحب اور اُن کے ساتھ ہندوستانی
سفارت خانہ کے ایک آدمی۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے چہرہ سے انتشار
کی شدت کا اندازہ کیا اور واقعہ معلوم ہونے کے بعد کہا کہ ہم بھی
آپ کے ساتھ چلتے ہیں اور ضرورت ہوئی تو قدوائی صاحب سے
کہلوائیں گے۔ میں نے کہا اب اس وقت صرف کتابوں کا سوال
نہیں ہے بلکہ خیال یہ ہے کہ کوئی جرم عائد نہ کر دیا جائے کہا ایسا
ہونے کی تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ خیر چلیے دیکھا جائے گا۔ چنانچہ ہم سب
پہنچے۔ دوسرے اب وہاں پہنچے تو محسوس ہوا کہ وہی آدمی جو اس
وقت ایسا سخت تھا کافی بدلا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا شیخ صاحب آئے
اس نے سامنے کے ایک آدمی کی طرف جو گال چنیہ پہنے عبا اوڑھے
دبلے پتلے بیٹھے تھے، اشارہ کر کے کہا یہ حضرۃ الشیخ ہیں ان سے گفتگو
شروع ہوئی تو یہ خلاف توقع الیّن عریکۃ یعنی نرم مزاج ثابت
ہوئے۔ انھوں نے کہا یہ آپ اپنی کتابیں اپنے ساتھ کیوں لے آئے
میں نے کہا میں شب و روز لکھنے پڑھنے والا آدمی ہوں جہاز میں جگہ
کی دقت کی وجہ سے حج سے تقریباً تین مہینے پہلے چل رہا تھا تو وقت
گزاری کے لیے اپنے ساتھ کچھ کتابیں لے لیں۔ جو فقہ کی کتابیں ہیں

انھیں تو خود اعمال حج کی خاطر ساتھ لایا ہوں، یہ ذرا خاموش ہوئے پہلے افیسر نے کہا دیکھیے یہ کتابیں اور اخبار زیادہ تر اردو میں ہیں جنھیں ہم سمجھ نہیں سکتے لہذا انھیں دار الترجمہ بھیجیں گے اور تین دن میں ان کے متعلق آپ کو جواب ملے گا۔ سرانڑ ابن ادریس کو کہا کہ اسے حضرۃ الشیخ دیکھ لیں گے۔ شیخ نے کہا کہ میں مکہ معظمہ گیا ہوا تھا آج ہی آیا ہوں اور ابھی میرے سامنے یہ کتاب پیش ہوئی ہے تو اتنی بڑی کتاب کو میں اسی وقت کیونکر دیکھ سکتا ہوں اور اس کا جواب کل مل سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اور وکیل کے آدمی نے کہا کہ انھیں تو آج ہی شام کو مدینہ کے لیے موٹر ملے گا پھر حجاج جب چلے جائیں گے تو یہ اکیلے رہ جائیں گے۔ سواری ملنے میں بھی وقت ہو گی۔ اس نے کہا تو ان کے رہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آج چلے جائیں وکیل کے آدمی سے کہا کہ تم آکر کتابوں کے متعلق خبر لے لینا۔ ڈاکٹر صاحب نے میری طرف دیکھا، مجھے اپنی حماقت یاد نہ ہو اس یا واقعی صورت حال سے جو خطرات محسوس ہو رہے تھے۔ ان کے لحاظ سے میں نے اس کو غنیمت سمجھا، منظور کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اگر کوئی خاص ضروری چیز آپ کی اس میں ہو تو نکال لیجئے۔ اب جو واقعی ضروری چیزیں تھیں ان کے لیے ان کا نقطۂ نظر معلوم ہو چکا تھا۔ لہذا امیں کیا کرتا۔ "حلقۂ تعارف" کو نکال کر میں نے کہا "یہ تو غیر مذہبی چیز

ہے۔ اسے دیکھے، اس حلقۂ تعارف کی نوعیت ملیں صاحب کو بتا چکا تھا۔ اُس پہلے افیسر نے اسے الٹ پلٹ کر دیر تک دیکھا اور پھر با دل ناخواستہ دے دیا کہ اچھا لے جائیے۔ وکیل کے نوکر بیچارے نے ایکسرا اسکول کی کاپی نکال کر دی کہ یہ تو سادہ ہے مگر اس میں دو چار ورق لکھے ہوئے تھے لہٰذا دیکھ کر اُس نے کہا نہیں اسے رہنے دو۔

خیر جناب! اس حلقۂ تعارف کو لیے ہوئے وہاں سے ہم برآمد ہوئے۔ میں نے کہا یہ دن بھر کی محنت کا حاصل ہے مگر مجھے جو خطرات تھے ان کے لحاظ سے پھر بھی خوشی تھی اور میں دل ہی دل میں شاعر عرب کا مصرع پڑھ رہا تھا۔

رضیت من الغنیمۃ بالایاب اور ابوبکر خوارزمی کی نثر میں ولقد قنعت من الغنیمۃ بالسلامۃ جس کا خلاصہ اردو محاورہ میں ہوا "جان بچی لاکھوں پائے"۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی کہا کہ جو خطرہ آپ کو تھا اس سے تو اطمینان ہوا۔ ان کی رائے یہ ہوئی کہ ابھی میرے ساتھ موٹر پر چلیے اور تدوائی صاحب سے واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیجئے چنانچہ ان کے ساتھ موٹر پر میں ان کے المنزل صوف الھندی تک گیا مگر یہاں سفارت خانہ کے ایک آدمی ملے جنھوں نے بتایا کہ تدوائی صاحب اپنی کرسی سے اٹھ کر جا چکے ہیں۔ ڈاکٹر حسن نے کہا کہ مغرب کے وقت وہ یہاں ڈسپنسری کی طرف روزانہ آتے ہیں اس وقت یہاں آجائیے تو وہ مل جائیں گے۔

اب میں بہ ظاہر تو مطمئن ہو گیا تھا مگر دل اب بھی مطمئن نہیں تھا۔ دار الترجمہ میں اخبار جائیں گے۔ ان میں ہر قسم کے مضامین ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی پوچھا کہ سرفراز وغیرہ میں کبھی کبھی سعودی حکومت کے خلاف بھی مضامین آتے ہیں ان اخباروں میں ایسا تو نہیں ہے؟ میں نے کہا اخبار تو ساتھ اس لیے تھی کہ اب میں انھیں نہ دیکھوں لہٰذا مجھے الجھا کیا خبر کہ ان میں کیسے مضامین ہیں۔ غرض محسوس ہوتا تھا کہ اس پہلو سے ڈاکٹر صاحب کو بھی ذرا تشویش ہے۔ پھر کتابیں اور نیز پنجاب کے اخباروں میں خالص مناظرانہ مضامین بھی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مطمئن ہونے کے بعد بھی میرا قلب غیر مطمئن ہی رہا اور اب بس یہ فکر ہو گئی کہ کسی طرح یہاں سے نکلیں اور آگے بڑھیں۔

متفرق باتیں کسٹم والے معاملہ کے پیچھے اور دوسری باتوں کا تو ذکر رہ ہی گیا۔

روپیہ کی تبدیلی جہاز تک تو ہندوستان کا روپیہ چلتا ہے اسکے بعد کسٹم وغیرہ میں مسافرخانہ پہنچنے تک کچھ صرف ہی کرنا نہیں پڑتا مگر اب مسافر خانہ پہنچنے کے بعد ہندوستانی سکہ سے کام نہیں چلتا۔ یہاں روپیے کی تبدیلی ضروری ہے۔ متعدد صراف جابجا بیٹھے ہوئے ہاتھ سے روپیے جھنکارا کرتے ہیں۔ یہاں کا سکہ ریال اور قرش ہے۔

پاکستانی روپیے کی قیمت کم ہے اس لیے سو روپیے کی صرف بہتر ریال ملتے ہیں مگر ہندوستانی روپیے کی قیمت زیادہ ہے چنانچہ اس وقت

جب ہم پہنچے ہیں۔ بعض لوگوں کو سو روپیہ کے ایک سو ساڑھے اٹھارہ یا ایک سو انیس تک مل گئے مگر میں چونکہ ان باتوں میں زیادہ دوادوش نہیں کرتا۔ جو پہلے ملا اس نے جو نرخ بتایا اُس سے معاملہ کر لیا تو مجھے سو کے ایک سو اٹھارہ ریال کے حساب سے معاملت کرنا پڑی اور سردست میں نے دو سو روپیہ کے نوٹ تبدیل کرائے جن سے دو سو چھتیس ریال حاصل ہوئے۔

ایک ریال میں بائیس ۲۲ قرش ہوتے ہیں۔ اس طرح یہاں نہ وہ ۱۶ پر تقسیم والا حساب ہے اور نہ اعشاریہ سکے ہیں جیسے عراق اور ایران وغیرہ میں رائج ہیں اور اب ہندوستان میں بھی رائج ہو گئے ہیں یہاں کا حساب ان دونوں سے الگ ہے۔

مصر اور شام وغیرہ ممالک عربیہ میں عموماً یہی ریال اور قرش کا حساب چلتا ہے۔

معلم کی فیس وغیرہ

جدہ میں آکر قانونی طور پر ہر شخص کو ایک سو پچاسی ریال اپنے معلم کے وکیل کے پاس جمع کرنا ہوتے ہیں ان میں مکہ معظمہ کے معلم کی فیس داخل ہوتی ہے اور جدہ سے مدینہ منورہ اور پھر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک کی بسوں کا کرایہ داخل ہوتا ہے۔

اس روپیہ کی ادائیگی سے حاجی کو بڑا اطمینان ہو جاتا ہے کہ اب جہاز کی واپسی تک کے زیادہ تر اہم مصارف سے سبکدوشی ہو گئی۔

اگر یہ انتظام نہ ہو تو بلاشبہ معلمین اور لاریوں کے منہ مانگے مطالبات حجاج کو پریشان کر دیں۔

چنانچہ دو سو روپیے جو ہم نے تبدیل کیے تھے ان میں سے ایک سو پچاسی ریال مصطفیٰ بسونی کے پاس داخل کر کے رسید حاصل کر لی۔

اس کے بعد تھوڑے سے ریال رہ گئے، جنھیں لے کر انشاءاللہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوں گے۔

ناامیدی میں امید

جہاز سے جو مسافر ہمارے ساتھ اترے تھے وہ زیادہ تر مکۂ معظمہ جانے والے تھے اور وہ دو دن کے اندر چلے گئے۔

جس کے بعد مدینۃ الحجاج میں سناٹا ہو گیا۔ مصطفیٰ بسوانی سے جب پوچھا انھوں نے کہا کہ مدینہ منورہ جانے والے بہت کم ہیں اس لیے وہاں کے لیے کوئی موٹر جانے کو نہیں ہے۔ تین چار دن میں امکان ہے اس سے مجھے بڑی الجھن تھی۔ مغرب کے قریب ڈاکٹر متین صاحب جو آئے تو ان کے ساتھ سفارت خانہ کے ایک آدمی تھے انھوں نے وکیل سے دریافت کرنے کے بعد کہا، دیکھیے میں کوشش کرتا ہوں۔ وکیل نے کہا کوئی کوشش آپ کی کارگر ہو ہی نہیں سکتی مگر انھوں نے نہیں مانا اور موٹروں کی کمپنی میں آدمی بھیجا وہاں سے اطلاع آئی کہ ہم مدینہ کے مسافروں کو کل صبح تک روانہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے مجھے اطمینان دلایا اور وکیل کی بات غلط ثابت ہوئی۔ مغرب کے وقت دسینری

maablib.org

کی طرف اس لیے گئے تھے کہ قدوائی صاحب سے ملاقات ہو جائے وہ آج ادھر آئے ہی نہیں اس لیے ان سے ملاقات نہ ہو سکی مگر یہ حاصل اس وقت کے آنے کا کیا کم ہے کہ مدینہ منورہ جانے کی امید ہو گئی۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

مدینہ منورہ کی طرف روانگی

اطلاع یہ ملی تھی کہ کل صبح تک روانگی ہوگی۔ اس لیے کوئی جلدی نہ تھی میں نے مسجد میں جاکر نماز مغربین پڑھی۔

یہ مدینۃ الحجاج میں بہت عمدہ نئے ڈیزائن کی بنی ہوئی شاندار مسجد ہے۔ امام جماعت غالباً حکومت کی طرف سے مقرر ہے میں نے یہاں جماعت میں شرکت نہیں کی۔ عموماً صبح اور ظہرین جماعت کے قبل یا بعد اور مغربین ہمیشہ بعد میں جاکر پڑھتا تھا۔ بعض وقت موقع ہوا تو مغربین کے علاوہ کوئی نماز کسی گوشہ میں جماعت کے وقت بھی پڑھ لی چونکہ یہاں اتنا مجمع نہیں ہوتا تھا کہ مسجد مملو ہو جائے۔

یہ آخری مغربین یہاں کی مین زرا دیر میں یعنی ہندوستانی تقریباً آٹھ بجے پڑھنے کے بعد باہر نکلا تو کھانے کی فکر ہوئی ایک ہوٹل

سے نکلے ہوئے آلو خریدے۔ شہر کے اندر جانے کا تو یہاں مجھے موقع نہیں ملا
مگر مدینۃ الحجاج کے ہوٹلوں میں جہاں تک دیکھا کھانا انتہائی بدمزہ پایا۔
چنانچہ یہ آلو بھی بڑے بدذائقہ تھے۔ میں نے اپنے جائے قیام پر آکر کھانا
شروع کیا ہی تھا کہ مسافر خانہ کے ایک آدمی نے آکر کہا کہ موٹر آرہی ہے۔
اسی وقت روانہ ہونا ہے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ آلو ناشتہ دان میں رکھ لیے
اور سامان باندھ لیا۔ سفر کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ ہم لوگ تیار تو جلد
ہی ہو گئے تھے۔ مگر تین چار بجے یعنی دس گیارہ بجے رات کو روانگی ہوئی
ایک لاری آئی جس پر تقریباً تیس آدمی سوار ہوئے۔ ان میں ایک میں
لکھنؤ کا تھا اور باقی بہت سے بنگالی تھے۔ بہت سے ملایا کے تھے اور ایک
پشاوری مع اپنی بیوی کے تھے جو عرصہ دراز سے بمبئی میں ہوٹل قائم کیے
ہوئے ہیں ایک دوسری چھوٹی موٹر تھی جس پر ذکور و اناث پانچ بمبئی
کے خواجہ حضرات تھے۔

ڈرائیور اگر سیدھے راستے جاتا تو جلد ہی حدود شہر سے خارج
ہوتے مگر یہ خود جدّہ کا رہنے والا تھا اس نے ہم سب کو پورے جدّہ کا چکر
کرا دیا اور اپنے گھر پر لے جا کر موٹر کو کھڑا کر دیا جہاں سے پھیر
موڑنے میں بڑی دیر لگی اور جب بعض مسافروں نے چیخ پکار کی تو کہا
کیا میں چلتے وقت اپنی ماں کو سلام بھی نہ کرتا ؟" اس کے علاوہ اپنی سعادت
مندی سے اور نہ جانے کتنے عزیزوں اور دوستوں کو اس نے سلام کیا۔
اس طرح جدہ کی بہت سی سڑکیں اور بازار دیکھنے کا موقع ملا جو نئے ڈیزائن

کے شاندار طریقہ پر تعمیر شدہ ہیں۔ قصر ملکی (شاہی محل) بھی دیکھا جو وسیع رقبہ میں ہے نصف شب کے قریب حدود شہر سے خارج ہوئے۔

۱۵ / شوال، ۵ / مئی ۔ دوشنبہ رات کے بقیہ حصہ میں چلتے رہے صبح کی نماز کے لیے ایک چائے خانہ میں قیام کیا جہاں ۲-۲ قرش میں وضو کے لیے لوٹے میں پانی ملا۔ اسکے بعد روانہ ہوئے۔ جب روز روشن ہوا اور کتبے نظر آنے لگے تو ان پتھروں سے جو مسافت کو بتاتے ہیں پتہ چلا کہ آدھے کے قریب راستہ طے ہو چکا ہے۔ اہل قافلہ خوش تھے کہ ظہر کی نماز جا کر مدینہ منورہ میں پڑھیں گے مگر دو ڈھائی گھنٹے طلوع آفتاب سے گزرے تھے کہ موٹر والے نے ایک بڑے ہوٹل کے سامنے موٹر روک دی اور سب اتر پڑے۔ معلوم ہوا اب عصر تک یہیں رہنا ہوگا۔

تحقیق سے ظاہر ہوا کہ یہ بدر کا مقام ہے یہاں سے مدینہ منورہ تک موٹر کا تقریباً تین گھنٹے کا راستہ ہے۔ یہاں اونچے اونچے پایوں کی بنچیں بانسوں یا رسیوں سے بنی ہوئی ہر طرف بچھی تھیں۔ اہل قافلہ ان پر بیٹھے۔ کچھ نے چائے پی کچھ نے کھانا کھایا، کچھ نے تربوز لیے جس کو یہاں جُحبُحْ کہتے ہیں۔ کھانے میں یہاں دال ملی جس کو یہ لوگ فُول کہتے ہیں جو بے نمک تھی۔ نمک الگ سے منگوا کر ملایا۔

کھا پی کر دوپہر کا وقت تھا۔ اس لیے کچھ لیٹ گئے اور کچھ نے ایک نیند لی، بعد میں ہوٹل والے نے سب سے آدھے آدھے ریال کا اس بنچ کے

کرایہ کے طور پر مطالبہ کیا۔ کچھ نے سیدھی طرح دے دیا اور جو بیڑھے ہوئے ان کے وہ کپڑے نوچنے تک کے لیے تیار ہو گیا، جس کے بعد ہر ایک کو دینا پڑا۔

ظہر کی نماز یہیں ہوئی، عصر کے پہلے روانہ ہوئے اور پھر تھوڑی دیر میں عصر کے لیے ایک جگہ رکنا پڑا۔ یہاں سے جو روانہ ہوئے تو سب کو یقین تھا کہ اب مغرب تو حرم میں ہو ہی جائے گی مگر موٹر والے نے پھر جا کر مغرب کے لیے بیر علی میں منزل کر دی۔ یہ بیر علی مقام ذوالحلیفہ ہے جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ مدینہ سے واپسی میں انشاء اللہ یہیں سے احرام باندھنا ہوگا۔

اس کے بعد چلے تو دروازہ شہر پر پاسپورٹ دیکھنے کے لیے روکے گئے جیسا کہ پہلے آ چکا ہے۔ پاسپورٹ خدا خدا کر کے جدہ میں بالکل موٹر چلتے وقت ہم لوگوں کے ہاتھ میں دے گئے تو پھر فوراً اڈر ایجنٹ کو دلوا دیے گئے تھے وہ سب اسی کے پاس جمع تھے۔ اب وہ پاسپورٹوں کو لے کر اترا اور تھوڑی دیر میں لا کر ہر ایک کو اس کا پاسپورٹ واپس کیا جس پر اس وقت دخول مدینہ کا اندراج ہو گیا تھا۔

اسی منزل پر ایک آدمی آیا اور اس نے ہر ایک سے یہ پوچھا کہ تم کس شہر کے رہنے والے ہو چنانچہ یہ مجھ سے بھی پوچھا تو میں نے لکھنؤ بتا دیا اس نے کہا تمھارے معلم یہاں مدینہ میں بہاءالدین ہوں گے۔

اس کے بعد تقریباً دو گھنٹے رات گئے مدینۂ منورہ پہنچے۔ پشاوری حاجی صاحب ہمیں جہاز ہی سے بتا چکے تھے اور پھر موٹر پر بھی اس کی تجدید کی کہ مدینہ منورہ میں ایک بہت مردِ باخدا عبدالغفور صاحب ہیں جو صوفی منش آدمی ہیں اور قانع شخص ہیں۔ ان کا ایک مکان ہے جس میں حجاج قیام کرتے ہیں تو انھوں نے اصول مقرر کر رکھا ہے کہ ہر ایک سے ایک ریال روز کے حساب سے لے لیتے ہیں۔

چونکہ مجھے خیال تھا کہ ابھی حج کو دو مہینے کے قریب مدت باقی ہے تو ایک مہینہ کے قریب مدینہ منورہ میں رہوں اور پھر مکہ معظمہ جاؤں اس لیے ان کا مشورہ مجھے بہت مغتنم معلوم ہوا کہ تیس ریال میں ایک ماہ قیام ممکن ہو گا۔ چنانچہ جب لاری رکی اور سامان اتار اگیا تو پشاوری صاحب کی ہدایت کے مطابق میں نے اپنا سامان بھی ان کے سامان کے پاس ہی رکھا اور جب پوچھا گیا معلم کون ہے؟ تو میں نے کہا معلم تو بہاؤ الدین ہیں مگر میں جاؤں گا عبدالغفور صاحب کے مکان میں۔ بہاؤ الدین کا ایجنٹ بضد ہو گیا کہ نہیں جب وہ معلم ہیں تو آپ کو وہیں چلنا ہو گا کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے جواب دہ تو وہی ہیں۔ پشاوری صاحب نے کہا اسی کے ساتھ چلے جائیے پھر ان سے کہہ کر عبدالغفور صاحب کے یہاں آجائیے گا۔ چنانچہ حمال نے سامان اٹھایا اور تھوڑی دور چل کر حرم کے سامنے ہی اصطفا منزل کے سامنے پہنچا دیا۔ بہاؤ الدین صاحب خود موجود تھے۔ سامان اتروایا

اور اس حمال کو ایجنٹ صاحب کے طے کرنے کے مطابق دو ریال دیے جو بعد میں ثابت ہوا کہ بہت زیادہ تھے۔ اب سامان سڑک پر پڑا ہوا تھا اور بہاء الدین صاحب میرے پاس کھڑے تھے۔ میں نے کہا جائے قیام کہاں ہے؟ کہا ابھی میرا آدمی آجائے تو پھر جائے قیام جا کر پسند کیجیے اور وہاں قیام کیجیے۔ میں نے عبد الغفور صاحب والی بات بیان کی تو انھوں نے کہا مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ آپ مولانا عبد الغفور صاحب کے یہاں ٹھہریے مگر مجھ سے ملتے رہیے گا۔ اب پھر انھوں نے حمال کو بلایا اور اس سے آدھا ریال طے کیا کہ عبد الغفور صاحب کے مکان پر ان کا سامان لے جاؤ حالانکہ یہ راستہ پہلے سے زیادہ دور تھا، چنانچہ اس مزدور کے ساتھ عبد الغفور صاحب کے یہاں پہنچ گئے۔

موصوف صاحب ریش مرد بزرگوار باہر نکلے اور مجھے اندر لے گئے پشاوری صاحب ان سے میرا ذکر پہلے ہی کر چکے تھے اس لیے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں پڑی مگر مکان کا جغرافیہ جو پشاوری صاحب نے بتایا تھا کہ کافی وسیع ہے اور بیچ صحن میں ایک پانی کا نل ہے اور ایک دروازہ کے باہر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ کچھ نظر نہ آیا بس ایک ذرا وسیع کمرہ تھا اس میں دری کا فرش تھا جس پر دیوار سے متصل گدے بچھے ہوئے تھے پہلو میں بہت مختصر صحن تھا جس میں ایک پانی کا ٹب رکھا تھا، ہاں ڈیوڑھی میں حمام تھا جس میں نل تھا

اور اس کے پہلو میں پائخانہ اور اس میں بھی نل۔ عبد الغفور صاحب ہندوستانی آدمی ہیں جو مدت دراز سے یہاں مقیم ہیں اور پیری مریدی کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔

مجھے چونکہ غسل کے بعد حرم جا کر مغربین پڑھنے کی جلدی تھی اس لیے سب سے پہلے حمام معلوم کیا، کپڑے نکالے اور غسل کیا، کپڑے پہن کر جب اعضائے وضو خشک ہو گئے تو وضو کیا اور حرم کی طرف روانہ ہوا مگر ایسے وقت پہنچا جب حرم خالی کرایا جا چکا تھا۔ جھاڑو ہو رہی تھا اور بند ہونے کے قریب تھا اس لیے میں جلدی جا کر ایک طرف نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔

چلتے وقت میں اس سے خالی الذہن ہی تھا کہ یہاں سجدہ میں دشواری ہو گی۔ اب جو دیکھا تو ہر طرف قالین کا فرش ہے اور جہاں فرش نہیں ہے وہاں بھی سنگ مرمر ہے جو معادن میں داخل ہے اس لیے اس پر سجدہ میں اشکال ہے۔ بہر حال میں نے سنگ مرمر کو قالین پر ترجیح دی اور مغربین کی نماز پڑھی اور چونکہ دروازہ بند ہو رہا تھا اس لیے مجبوراً ادا ایسا ہوا۔ مولانا خود اوپر رہتے ہیں اور پشاوری صاحب کو انھوں نے وہیں جگہ دی اور مجھے انھوں نے کہا کہ یہیں بسر کر لیجیے، چنانچہ یہیں بستر بچھا لیا پہلو میں چونکہ چھت نہیں تھی اس لیے ٹھنڈی ہوا آتی رہی اور رات آرام سے گزری۔

شیعہ معلّم کا مکان

۱۶ر شوال - ۲ر مئی - سہ شنبہ

صبح کی نماز جا کر حرم میں پڑھی - اس وقت کاغذ لیتا گیا تھا - سجدہ کاغذ پر کیا -

حرم سے واپسی کے بعد مولانا عبدالغفور صاحب جو ملے تو انھوں نے نہایت اخلاق اور لجاجت کے ساتھ یہ کہا کہ ان پشاوری صاحب نے جو کچھ آپ سے بیان کیا وہ ان کے کئی برس ادھر کے معلومات پر مبنی تھا اور اب وہ حقیقت کے مطابق نہیں ہے - پہلے بے شک میرا مکان کشادہ تھا اور میں آسانی سے حجاج کو ٹھہراتا تھا مگر اب بیچ میں دیوار اٹھوا کر وہ حصہ الگ کر دیا گیا ہے اور اسے میرے لڑکوں نے کرایہ پر اٹھا دیا ہے اب میرے پاس یہی ایک دالان ہے جو میرا باہر کا بیٹھکا ہے اور یہاں

maablib.org

میرے مرید آتے ہیں اور میں ہر پنجشنبہ کو عصر کے وقت بیان دعا ختم کرتا ہوں لہٰذا یہاں قیام میں آپ کو زحمت ہوگی اس لیے آپ اپنے معلم سے کہیے کہ وہ آپ کے لیے کسی جائے قیام کا انتظام کر دیں مگر اسمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ اسے آپ اپنا ہی گھر سمجھیے جب تک مکان کا انتظام نہ ہو چند روز یہاں باطمینان قیام کیجیے اور جب انتظام ہو جائے تو وہاں منتقل ہو جائیے۔

یہ سننے کے بعد انھوں نے لاکھ کہا کہ جلدی کوئی نہیں ہے مگر یہاں تو جلدی ہو ہی گئی اور اسی وقت بہاؤ الدین صاحب کے پاس گئے وہ دفتر میں نہیں تھے اور گھر پر بھی نہیں تھے فندق بہاؤ الدین میں دیکھا وہاں بھی نہ تھے۔ فندق یہاں ہوٹل کو کہتے ہیں ان کے ایک کارندہ ملے، ان سے صورت حال بیان کی اور کہا کہ میں ایک ماہ مدینہ منورہ میں رہنا چاہتا ہوں انھوں نے اپنے ساتھ لے جا کر ایک مکان کا ایک چھوٹا سا کمرا جس کو کوٹھری کہا جائے تو زیبا ہے دکھلایا اور کہا کہ دس دن کے قیام کے چالیس ریال دینا ہوں گے اور مہینہ بھر قیام کے سو ریال۔ یہ میرے تحمل سے باہر تھا میں نے کہا یہ زیادہ ہے تو کہا اس سے زیادہ سستا تو ملنا ممکن نہیں چنانچہ واپس ہوا اور خود بہاؤ الدین صاحب کا منتظر ہو گیا۔ اتنی دیر میں وہ آئے، ان سے میں نے بیان کیا تو انھوں نے بھی کہا کہ اس سے ~~[illegible]~~ ارزاں کوئی جگہ نہیں مل سکتی۔

بہت سے لوگ اصطفا منزل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ عمارت ہمارے لکھنؤ کے اصغر علی محمد علی کے کارخانہ والے اصطفا خاں صاحب کی بنوائی ہوئی ہے اور وقف ہے۔ انھوں نے کہا ایسے بلا معاوضہ وہ لوگ ٹھہرتے ہیں جو اپنے ساتھ سفارشی خط لائے ہوں ورنہ اس کا بھی کرایہ لیا جاتا ہے۔ اس دوران میں میں نے اسعد امر اللہ کو پوچھا کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟ ان کا نام ہمارے چچا جناب مولوی عابد علی صاحب نے لکھ کر مجھے دیا تھا اور کہا تھا کہ مدینہ میں شیعہ معلم ہیں انھیں جو میں نے پوچھا تو بہاء الدین صاحب نے کہا ان سے آپ کو کیا کام وہ تو شیعوں کے معلم ہیں۔ میں نے کہا میں تو خود بھی شیعہ ہوں۔ یہ سن کر بہاء الدین صاحب نے کہا کہ جب آپ شیعہ ہیں تو یہ گورنمنٹ کے آدمیوں کی غلطی ہے کہ انھوں نے آپ کو میرا نام بتا دیا۔ آپ کو اسعد امر اللہ ہی کے یہاں قیام کرنا چاہیئے ان کے پاس زائرین کے قیام کے لیے ذاتی مکان بھی موجود ہے آپ کو وہاں جانا مناسب ہے۔ چنانچہ ایک آدمی سے کہا کہ ان کے ساتھ چلے جاؤ اور اسعد امر اللہ کے یہاں پہنچا دو۔ جو جنت البقیع کے قریب متصل "شر شورہ" رہتے ہیں۔ یہ "شر شورہ" کی لفظ میں نے پہلی دفعہ سنی، معلوم ہوا کہ اموات کے غسل خانہ کو شر شورہ کہتے ہیں۔ یہ جنت البقیع سے ملا ہوا ہے۔ اموات کو وہاں غسل دیا جاتا ہے اور پھر بعد غسل و کفن نماز کے بعد جنت البقیع کے قبرستان میں دفن

کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ آدمی ہمیں جنت البقیع اور اس شُرشورہ کے سامنے سے گزر کر درمیان کی ایک سڑک کو عبور کر کے ایک زینہ کے پاس لے گیا جس کے اوپر ایک مکان کا دروازہ تھا۔ یہ دو منزلہ جدید التعمیر عمارت تھی۔

دق الباب کے بعد ایک لڑکا نکلا اور جب اس سے اسعد امر اللہ صاحب کو پوچھا تو اس کے اطلاع دینے پر فوراً ایک گدیدے جسم کے ضعیف العمر آدمی باہر نکل آئے۔ یہ اسعد امر اللہ تھے اور صورت حال کے معلوم ہونے پر کہ میں شیعہ ہوں مگر بہاء الدین صاحب کے یہاں پہنچ گیا تھا اور سلطان عبد الغفور صاحب کے یہاں ہے اور اب ان کے یہاں آنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فوراً ایک آدمی کو ساتھ کر دیا کہ ان کا سامان عبد الغفور صاحب کے یہاں سے لے آؤ۔ چنانچہ میں اس آدمی کے ساتھ گیا اور سامان اٹھوایا مولوی عبد الغفور صاحب خود موجود تھے۔ میں نے ان سے گزشتہ رات کے قیام کا کرایہ پوچھا تو انھوں نے کچھ بتانے اور لینے سے انکار کر دیا اور کہا میں نے تو کہدیا تھا کہ جیسے دن انتظام ہو آپ گھر سمجھ کر یہاں قیام کیجئے۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور وہاں سے روانہ ہو کر اسعد صاحب کے یہاں پہنچا انھوں نے بر آمدہ میں ایک تخت پر میرا بستر بچھوا دیا جو میرے لیے کافی تھا۔

قریب کے ایک کمرے میں جدہ سے ہمارے ساتھ روانہ ہونے اور مدینہ میں ہمارے ساتھ پہنچنے والا ایک قافلہ جو چھوٹی موٹر پر ہماری لاری

کے ساتھ رہا بمبئی کے خوجے حضرات کا مقیم تھا۔ ان کے متعلق پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ شیعہ ہیں۔ اب یہاں آکر اور ان کے یہاں کے قیام سے اس کا علم ہوا۔

اب ثابت ہوا کہ یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم اس کے منتظر رہے کہ کوئی ہم سے پوچھے کہ آپ کا کیا مذہب ہے تب ہم بتائیں۔ نہیں بلکہ ہم کو اس سوال پر کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں جواب میں یہ بتا دینا چاہیئے تھا کہ ہم جعفری ہیں تو ہمیں پہلے ہی شیعہ معلم کے یہاں بھیجدیا جاتا۔

یہ مکان تمام ضروریات زندگی پر مشتمل ہے۔ بہت سے نل لگے ہوئے ہیں ایک پینے کے پانی کے لیے ایک کپڑے دھونے کے لیے۔ ایک پائخانے میں، ایک حمام میں، اس کے علاوہ صحن میں حوض بھی بھرا ہوا رہتا ہے اور اس میں بھی تازہ پانی کے لیے نل لگا ہوا ہے بجلی ان کے یہاں ذاتی ہے۔ ذاتی کے یہ معنی ہیں کہ مشین اپنی خود ہے جو پانی سے بجلی بناتی ہے اور اس سے تمام اطراف کے بلب روشن ہوتے ہیں۔

مکان میں چند سہ منزلہ کمرے تیار ہو گئے ہیں جن میں پلاسٹر بھی ہو گیا ہے اور بجلی کی روشنی بھی ہے۔ باقی حصے ابھی زیر تعمیر ہیں، جن میں مزدوروں کے ساتھ وہ خود بھی مصروف رہتے ہیں، میں سن چکا تھا کہ یہاں معلم کی فیس چودہ ریال مقرر ہے، میں نے ان سے ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ مکۂ معظمہ کے معلمین نے باضابطہ گورنمنٹ سے اپنی فیس مقرر کرالی ہے مگر ہم مدینہ منورہ کے معلمین سے جب گورنمنٹ نے پوچھا تو ہم نے کہدیا کہ ہمارا

کام خدمتِ حجاج ہے۔ ہم اس کی کوئی فیس مقرر نہیں کرانا چاہتے چنانچہ ہمارا عملدرآمد بھی یہی رہا ہے۔ کسی سے ہم کو زیادہ وصول ہوجاتا ہے اور کسی سے کم۔ کسی سے کچھ نہیں۔ اس لیے کہ یہاں اکثر حاجی مکہ معظمہ کے حج سے فراغت کے بعد آتے ہیں جب سب روپیہ خرچ کر چکے ہوئے ہیں، ان کے پاس ہوتا ہی نہیں کہ وہ ہمیں کچھ دیں، پھر بھی یہ عالیشان مکان جو آپ دیکھ رہے ہیں حاجیوں ہی کے روپیے سے تعمیر ہوا ہے۔

غرض مجھ سے انھوں نے بڑے اخلاق سے باتیں کیں اور یہ اخلاق ان کا آخر تک قائم رہا۔

دوپہر کا کھانا بھی بھیجا حالانکہ میں نے کھانا بازار میں کھا لیا تھا۔ مگر پھر جبراً ان کے یہاں کے کھانے سے بھی کھانا پڑا جس کے چند روز کے لیے میرے معدہ کا نظام بھی خراب ہوگیا جسے میں ان کی محبت کی قیمت سمجھا۔

پہلی زیارت

روضۂ نبوی اور جنت البقیع

عربی مثل ہے "المسافر کالاعمیٰ" تو یہ واقعہ ہے کہ نیا آدمی مقامات سے واقف نہیں ہوتا تو جب تک کوئی بتانے والا نہ ہو وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا چنانچہ اس کے پہلے میں اکیلا دو دفعہ مسجد میں جا چکا تھا مگر صحیح طور پر روضۂ مقدسہ کی زیارت نہیں ہوئی۔ اب عصر کے وقت معلم صاحب نے ایک نوجوان کو ہم لوگوں کے ساتھ کیا کہ ان لوگوں کو لے جاکر زیارتیں کرا دو چنانچہ وہ ہم سب کے ساتھ ہوئے اور اس وقت ان کے ساتھ گئے تو باقاعدہ روضۂ انور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے والحمدللہ علیٰ ذالک۔

maablib.org

جائے قیام سے چل کر ایک کوچہ جاتا ہے جو براہ راست مسجد نبوی کے باب جبرئیل کے سامنے نکلتا ہے۔ اسی باب جبرئیل پر اذن دخول پڑھا۔ پھر اندر داخل ہوئے۔ پہلے نماز تحیہ مسجد پڑھی پھر جا کر قبر مطہر کے سامنے زیارت حضرت پیغمبر خدا پڑھی۔ یہاں سپاہی مقرر ہیں کہ کوئی شخص ضریح کا بوسہ نہ لینے پائے۔ عقیدت کی پیاس بیں اس وقت کتنا التہاب ہوتا ہے، اس کا اندازہ عقیدت مند ہی کر سکتا ہے مگر سعودی سپاہیوں کی وجہ سے دل کی حسرتیں تڑپ کر دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔

زیارت پڑھنے کے بعد منبر اور قبر مطہر کے درمیان آتے ہیں۔ یہ مقام روضہ ہے جس کے لیے حدیث میں ہے؟ مابین بیتی منبری (یا مابین قبری و منبری) روضۃ من ریاض الجنۃ۔ یہاں نماز زیارت پڑھتے ہیں اور چونکہ ہمارے یہاں کی ایک روایت معتبرہ کے مطابق حضرت سیدۂ عالم فاطمہ زہرہ اسلام اللہ علیہا کی قبر مطہر بھی یہیں ہے لہذا مختصر زیارت جناب معصومہ کی آہستہ آہستہ یہاں پڑھ لیتے ہیں۔

اس کے بعد آج وقت نہیں رہا تھا اس لیے جنت البقیع کی زیارت دوسرے دن پر محول ہوئی۔

۷ ار شوال ، ۷ رمئی چہار شنبہ

آج رہنما کے ساتھ ہم لوگ زیارت جنت البقیع سے مشرف ہوئے

جنت البقیع - آہ! ہمارے چار اماموں کی آرام گاہ اور اس کا یہ عالم! باہر تو پورے قبرستان کے گرد ایک اونچی دیوار اٹھا دی گئی ہے ایسی کا واک اور بے ہنگم جیسی کچی دیواریں کسی جھونپڑی کی ہوتی ہیں۔ یہ بھی سنا ہے دو چار برس سے ہوا ہے ورنہ اس کے پہلے تو گندگیوں سے حفاظت کا کوئی سامان بھی نہ تھا، بس ایک مسمار شدہ قبرستان تھا۔ اس احاطہ کے اندر ایک وسیع قبرستان ہے جیسے کہ ہمارے یہاں کے عامۂ مسلمین کے قبرستان ہوا کرتے ہیں۔ دروازہ پر ایک پولیس کی جماعت ہر وقت مقرر رہتی ہے جو عورتوں کو اندر جانے سے روکتی ہے۔

ہماری خواتین کے لیے یہ کتنی بڑی صبر آزما منزل ہے کہ وہ ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے جائیں اور پھر عام تصور کے مطابق جو انکی سرور و سردار حضرت معصومۂ عالم کا مزار ہے اور مسلما ان کے چار ائمہ معصومین کے قبور مطہرہ ہیں، ان کی زیارت بھی نصیب نہ ہو اور وہ باہر کی چار دیواری ہی سے ٹکرا کر آتی رہیں۔

مردوں کو اندر جانے دیا جاتا ہے۔ دروازہ کے اندر جا کر سب سے پہلے داہنے ہاتھ پر تھوڑی دور پر گول پتھروں کے ہلالی احاطہ کے ساتھ جو تقریباً نصف قد آدم بلند ہے، ایک قبہ کی نشاندہی کی گئی ہے یہ وہ قبہ تھا جس میں ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام کے قبور مطہرہ ہیں۔ اس میں ایک قبر داہنے ہاتھ ہے جس کے آگے بالشت ڈیڑھ بالشت اونچا ایک پتھر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ یہ عام روایت کے

مطابق جناب سیدۂ عالم کی قبر شریف ہے۔ یہاں حضرت کی زیارت پڑھی جاتی ہے۔ یہاں کوئی سپاہی موجود نہیں ہوتا اس لیے زیارت آزادی سے پڑھ لی جاتی ہے جس میں ان مظالم کا تذکرہ بھی ہے جو ان معصومہ پر ہوئے تھے۔ اس سے ذرا ہٹ کر بائیں طرف ایک چوڑی سی قبر پر چھوٹے چھوٹے چار پتھر کھڑے کرکے ہمارے چار ائمہ امام حسین مجتبیٰ علیہ السلام امام زین العابدین علیہ السلام امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے قبور کا پتہ دیا گیا ہے حالانکہ یہ جگہ جس پر یہ پتھر لگائے گئے ہیں چار قبروں کی گنجائش قطعاً نہیں رکھتی بلکہ وہ صرف ایک ہی قبر پر مشتمل ہو سکتی ہے اور باقی تین قبریں اس کے آس پاس ہوں گی۔ اس کے معنی یہ ہیں ان حضرات کے قبور کے نشان بھی نہیں ہیں، یعنی ہم نہیں بتا سکتے کہ امام حسنؑ کی قبر مبارک کہاں پر ہے اور امام زین العابدینؑ اور دوسرے دو اماموں کی قبریں کہاں کہاں ہیں۔

اسی خطرہ کے پیش نظر مجھے خوب یاد ہے کہ حادثۂ جنت البقیع کے بعد ابتدائی دور میں جب میری طالب علمی اور تقریباً بچپن کا زمانہ تھا میں نے ایک مضمون کے ذریعہ یہ تحریک کی تھی کہ ابھی یادداشت تازہ ہے۔ جنت البقیع کے مزارات کا نقشہ مرتب کر دیا جائے جس میں نقشوں کے اصول کے مطابق قبور کی درمیانی مسافت کی مکمل پیمائش درج ہو اور یہ نقشہ ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا جائے۔ ہمارے گھروں میں آویزاں ہو اور کتب خانوں میں محفوظ ہو ورنہ کچھ عرصہ کے بعد ایسا وقت آنا ممکن ہے کہ

ان قبورِ مطہرہ کے نشانات کا بھی پتہ نہ لگے۔ پھر اگر تعمیر جدید کے اسباب کبھی قدرت کی طرف سے فراہم ہوئے بھی تو قبور کی نشان دہی مشکل ہو جائے گی افسوس ہے کہ میری یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی، اب وہ خطرہ خطرہ نہیں بلکہ افسوسناک واقعہ بن گیا ہے جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ہ

بہر حال چونکہ یہ قبر جد احمد نمایاں نہیں اس لیے معلم ان معصومین کی زیارت بھی الگ الگ نہیں پڑھاتے بلکہ ایک مختصر زیارت مشترکہ پڑھا دیتے ہیں۔

اس سے زائد بڑھ کر اسی احاطہ میں ایک قبر نمایاں کی گئی ہے جو حضرت عباس عم رسولؐ کی ہے۔ ان کی بھی مختصر زیارت پڑھی جاتی ہے۔ یہاں زیارت پڑھنے کے بعد پھر بائیں ہاتھ کی طرف پلٹتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں تو جیسے کھیتوں میں مینڈین ہوتی ہیں اس طرح محدود کیے ہوئے بہت سے زمین و دو احاطے شروع ہوتے ہیں جن میں پہلے بنات النبی کے نام کی ایک حد بندی ہے جہاں رقیہ اور ام کلثوم وغیرہ کے مزارات ہیں جنھیں ہمارے بہت سے علماء ربیبہ رسولؐ قرار دیتے ہیں۔ پھر امہات المومنین کا ایک احاطہ ہے جس میں تھوڑی سی جگہ میں نو پتھر کھڑے کر کے رسالت مآبؐ کی نو بیویوں کے قبور کا پتہ دیا گیا ہے۔ پھر آگے بڑھے تو ایک ذرا زیادہ نمایاں احاطہ

جناب ابراہیم فرزند حضرت رسولِ خدا کے مزار کا ملتا ہے، جہاں کافی طولانی زیارت پڑھی جاتی ہے۔ ایک احاطہ میں ابو سعید خدری کا نام بتایا جاتا ہے۔ ایک جگہ مالک بن انس کا جو اہلِ سنت کے ائمۂ اربعہ میں سے ہیں۔ تمام احاطہ کے آخری سرے پر خلیفۂ ثالث عثمان کی قبر بتائی جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقتاً یہ جنت البقیع سے خارج تھی مگر اب اس کو احاطہ میں داخل کر لیا گیا ہے اور افسوس صد افسوس کہ جناب فاطمہ بنت اسد رضؓ کی قبر اس احاطہ میں نہیں لی گئی۔ معلم جنت البقیع کے آخری گوشہ میں کھڑے ہو کر اشارہ سے بتاتا ہے کہ ان معظمہ کی قبر اس احاطہ کے باہر تھوڑے فاصلہ پر ہے جس کا کوئی نشان نمایاں نہیں ہے۔ اور وہیں سے آپ کی زیارت پڑھا دیتا ہے۔

یہ جنت البقیع کی حالت اگرچہ جہاں تک سنا ہے ادھر چند سال سے اس حد تک آئی ہے اور اس کے پہلے بہت خراب حالت تھی مگر ہمارے لیے موجودہ صورت بھی اتنی تکلیف دہ ہے کہ میرے لیے جنت البقیع میں ٹھہرنا تقریباً نا ممکن تھا۔ دل سینہ میں تنگی کرنے لگتا تھا اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ حرکت قلب بند ہو رہی ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔

maablib.org

مدینہ اہل مدینہ اور حرم نبوی

چونکہ اب روزمرہ کے حالات میں کوئی خاص ندرت نہیں ہے اس
لیے یہاں کے مجموعی حالات پر اب تبصرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شہر

مدینہ منورہ رقبہ کے لحاظ سے کوئی بڑا شہر نہیں ہے، بلکہ
جہاں تک میرا اندازہ ہے اس کی وسعت اتنی ہے جتنی
میرے دیکھے ہوئے زمانہ تک عراق میں نجف اشرف کی وسعت تھی کہ ایک
آدمی بغیر کسی سواری کے دو ایک گھنٹے کی مختصر مدت میں پورے شہر کا مکمل
طواف کر لے سکتا ہے۔

قدیم زمانہ میں یہاں مسجد نبوی کے چاروں طرف بہت باریک اور
پیچدار گلیاں تھیں جن کے کچھ نمونے اندرون شہر اب بھی موجود ہیں مگر
چند سال سے جو شہر کی تعمیر جدید کا کام جاری ہے۔ اس کے ماتحت

maablib.org

اکثر حصے اب کھد چکے ہیں اور ان کے بجائے کشادہ سڑکیں، دل کشا پارک، مغربی طرز کے عالیشان مکانات بن رہے ہیں جن کی وجہ سے چند سال کے عرصہ میں قبل کے دیکھنے والے کو مدینہ منورہ ایک بالکل نیا شہر معلوم ہوگا جو گویا اس نے پہلے دیکھا ہی نہ تھا۔

اہلِ شہر میں پہلے سے سن چکا تھا کہ مدینہ منورہ کے باشندے برخلاف اہل مکہ کے بہت خوش اخلاق ہیں۔ اب مشاہدہ سے اسکی تصدیق ہوئی۔ یہاں کے لوگوں کی کوشش یہ رہتی ہے کہ ابتدائے سلام وہ کریں اور اگر ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے اور پہلے سلام کر لیا تو وہ اتنے پر تپاک انداز میں جواب دیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے ان سے مدت کی شناسائی ہے۔

میں نے یہاں وہ تفریق بھی نہیں پائی جو ہندوستان میں ہے کہ شیعہ کہتے ہیں سلام علیکم اور علیکم السلام اور سنی کہتے ہیں۔ السلام علیکم اور وعلیکم السلام۔ یہاں میں نے ہر شخص کی زبان سے سلامٌ علیکم سنا اور جواب میں علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حرم میں اوقات نماز وغیرہ میں بہت سے عبا و عمامہ کی شکل کے مقدس صورت افراد نظر آتے ہیں جن کے چہروں میں وہ خشونت نہیں ہوتی جو ہمارے یہاں ایک طبقہ کے مقدس صورت اشخاص میں زیادہ تر محسوس ہوتی ہے۔

عام اہل شہر پر ملکی مذہب (وہابیت) کا اثر کم ہے چنانچہ حرم جانے

میں ایک دفعہ بازار میں مجھے ٹھوکر لگی۔ گرنے کے قریب تھا تو پشت کی
طرف سے آواز آئی یا محمدؐ۔
یہ ویسا تھا جیسے ہمارے یہاں گرتے وقت بے ساختہ زبان
سے نکلتا ہے "یا علی" حالانکہ وہابی نقطۂ نظر سے یہ دونوں شرک ہیں
مگر وہاں کہنے والے نے کہا اور اس کے گرد و پیش سے باوجودیکہ وہ
کافی آباد جگہ تھی اور دوکاندار اور خریدار بکثرت موجود تھے۔ کسی
کے اعتراض کی صدا سنائی نہیں دی۔ حالانکہ ہمارے یہاں ہندوستان
کے سواد اعظم میں دیوبند وغیرہ کے اثر سے یہ ہو گیا ہے اور مجھے خود
سننے کا اتفاق ہوا کہ کسی نے گرتے وقت یا علی کہا تو راہ گیروں میں سے
کسی نے کہہ دیا یہ کیا کہتے ہو۔ یا اللہ کہو۔ مگر مدینہ منورہ میں اتنی مدت
کے نجدی اقتدار کے بعد بھی عوام کی ذہنیت ایسی نہیں ہوئی ہے
اہل مدینہ کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ گزشتہ نقوش کے مٹے
ہوئے آثار کچھ ان میں موجود ہیں۔
عورتوں میں بھی وہ آزادی نہیں ہے جو ممالک عربیہ میں عموماً
پھیل گئی ہے۔ مدینہ کی عورتیں عام طور پر پردہ کی پابند ہیں اور مغربی
تہذیب و تمدن سے متاثر نہیں ہوئی ہیں
مسجد نبوی کی عمارت بہت شاندار ہے مگر اس

حرم نبوی کی ساخت وہ نہیں ہے جو ہمارے یہاں کی مسجدوں
کی عموماً ہوتی ہے کہ دالان یا کوئی وسیع ہال ہوتا ہے جس پر اکثر وسط میں گنبد

اور کناروں پر مینار ہوتے ہیں اور آگے صحن ہوتا ہے جس میں زیادہ تر چبوترے کی شان ہوتی ہے اور پھر نیچے زمین جو مسجد کے حدود سے خارج ہوتی ہے اور چلنے پھرنے اور جوتے اتارنے کے کام آتی ہے۔

مسجد نبوی ہی نہیں بلکہ جنھوں نے عراق میں مسجد کوفہ اور مسجد سہلہ کو دیکھا ہو۔ انھیں معلوم ہوگا کہ صدر اسلام کی کسی مسجد کی یہ شان نہیں ہے بلکہ چاروں طرف دالان ہوتے ہیں اور بیچ میں صحن ہوتا ہے۔

شروع شروع جو مسجد نبوی کی وسعت تھی وہ اب کے لحاظ سے بہت مختصر تھی جو چند خاص طرح کے ستونوں سے اب بھی نمایاں ہے اور معلمین بتا دیتے ہیں کہ یہ ستون اس کی علامت ہیں کہ یہاں تک اصل مسجد ہے۔ اس کے بعد پہلے اس کی توسیع عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ہوئی اور اس کے بعد سے وقتاً فوقتاً توسیع ہوتی رہی جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

یہ موجودہ عمارت سلاطین ترکی کے دور کی تعمیر کردہ ہے، اسلئے ایک باب مجیدی سلطان عبدالمجید عثمانی کے نام کا اب بھی باقی ہے مگر ایک طرف کا حصہ توسیع جدید کے سلسلہ میں موجودہ سعودی حکومت کا تعمیر کردہ ہے جس میں باب عبدالعزیز ہے جو سابق ابن سعود کا نام تھا اور باب السعود ہے جو موجودہ بادشاہ کے نام پر ہے۔

اس وقت تک کی تمام توسیعوں کے بعد مسجد نبوی کی شکل یہ ہے کہ صدر میں ایک بڑا دالان ہے جس میں قبلہ رخ کھڑے ہوئے تو داہنی جانب ایک پھاٹک ہے جس کا نام باب السلام ہے اور بائیں جانب اس دالان

میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ اس بائیں سمت میں جو قبلہ کی طرف پشت کرنے کے بعد داہیں ہاتھ پر ہو جاتی ہے سامنے قبر مطہر حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو جالی دار دیواروں کے اندر ہے اور اس جالی کے پاس سعودی سپاہی بیٹھے رہتے ہیں جو کسی کو پاس آنے نہیں دیتے۔ بس دو تین ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑے ہو کر زیارت پڑھی جاتی ہے۔

شیعہ معلم فقط جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پڑھاتا ہے اور دوسرے معلمین اپنے حاجیوں کو اس زیارت کے بعد خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کی مختصر زیارتیں بھی پڑھاتے ہیں جن کی قبریں بھی یہیں ہیں۔

قبر مطہر نبوی کی عمارت کے اوپر ہی گنبد خضرا ہے جو بہت دراز ہے سبز ہی رنگ کا رہا ہے اسی لیے "خضرا" اس کے نام کا جز ہو گیا ہے۔ اس کے پہلو میں ذرا آگے ایک اس سے چھوٹا سیاہ گنبد بنا دیا گیا ہے۔ یہ شاید مسجد کی علامت ہے۔ یہ دور سے دیکھنے والے کے لیے گنبد خضرا کے حسن منظر میں ذرا کمی کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا جغرافیائی تناسب بھی اس گنبد کے ساتھ کچھ نہیں ہے۔

اس دالان کے آگے پھر دو دالان اور ہیں جو پہلے دالان سے اسی لیے چھوٹے ہیں کہ ان میں ایک طرف خانہ پیغمبر خدا کی عمارت ہے جس میں قبر مطہر ہے اور اس کے پیچھے گزرگاہ ہے جو باب جبرئیل تک پہونچتی ہے۔

بیچ کے دالان میں مرقد مطہر نبوی سے چند گز کے فاصلہ پر منبر ہے جو غالباً اسی جگہ پر ہے جہاں حضرت کا منبر تھا اور اس منبر اور مرقد مطہر کی

درمیانی جگہ روضہ ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

اس دالان میں وہ ستون ہیں جن پر مسجد نبوی کی وہ حد جو زمانۂ رسولؐ میں تھی ختم ہو جاتی ہے اور انہی ستونوں میں ایک جو (جہاں تک مجھے یاد ہے) مزار مقدس رسولؐ کی دیوار سے حساب کرنے پر دوسرا ستون ہے اسطوانہ یعنی ستونِ ابولبابہ انصاری کہلاتا ہے جس کے پاس نماز و عبادت کی بڑی فضیلت ہے اس لیے کہ ابولبابہ صحابی نے اپنی خطا کی معافی کے لیے اپنے کو اس ستون سے باندھ لیا تھا اور پھر جب ان کی توبہ کی قبولیت کا مژدہ بارگاہِ احدیت سے رسولؐ کے پاس آیا تو حضرت نے خود تشریف لا کر انھیں اس ستون سے کھول کر علاحدہ فرمایا۔

تیسرا دالان جو سب سے آگے ہے اس میں قبلہ رخ کھڑے ہونے پر داہنی طرف وہ پھاٹک ہے جس کا نام باب الصدیق رکھا گیا ہے اور بائیں جانب باب جبرئیل اور اس سے نزدیک ہٹ کر باب النساء ہے جو عورتوں کے آنے جانے کے لیے ہے۔ یہ تین دالان قبلہ رخ ہو گئے۔ پھر تین ہی دالان داہنی طرف اور تین ہی بائیں طرف اور تین سامنے۔ بیچ میں صحن یہ ایک احاطہ ہوا اس کے بعد ان آخری دالانوں کو صدر قرار دے کر پھر داہنی طرف تین بائیں طرف تین اور مقابل میں تین دالانوں کی عمارت اور درمیان میں پھر صحن ہے۔ اس سب کا مجموعہ مسجد نبوی ہے جس میں مذکورہ حساب کے مطابق چاروں طرف اکیس دالان ہوئے۔

دالانوں میں تمام سنگ مرمر کا فرش ہے جس پر قالین بچھے ہوئے ہیں۔

اور درمیان کے دونوں صحنوں کی زمین پختہ نہیں ہے بلکہ اس میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے بچھے ہوئے ہیں یا ریگ ہے۔ اوقات نماز میں یہاں دریوں کا فرش ہو جاتا ہے۔

ہمارے لیے جو سجدہ میں مایصح السجود علیہ کی فکر میں رہتے ہیں اس صحن میں نماز خالی از اشکال ہے جبکہ فرش سے خالی زمین پر پیشانی رکھ لیں مگر اس صورت میں جو سنگریزے ہر دفعہ پیشانی میں لپٹ جاتے ہیں وہ بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

مرکز احیاء آثار برصغیر
MAAB 1431
maablib.org

آثار آلِ محمدؐ

اس میں کوئی شک ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اہل حجاز نے رسولؐ کے بعد آلِ رسولؐ کو بری طرح فراموش کیا اور خصوصاً اب تو آلِ محمد کے آثار بھی ڈھونڈھے سے نہیں ملتے۔

پہلے دن جب میں مسجد میں گیا تو بالکل نیا تھا۔ ایک عرب معلم نے جو اتفاقاً اس وقت وہاں موجود تھے بنظر کرم میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ لے لیا اور مسجد کے مختلف مقامات کا تعارف کرانے لگے اسی ذیل میں انھوں نے اسطوانۂ ابی لبابہ انصاری دکھلایا اور دوسرے اسطوانہ جو اس کے بعد روضۂ رسولؐ کے قریب ہے دکھلا کر کہا اسطوانۂ ام المؤمنین عائشہ ہے۔

اب اسطوانہ ابی لبابہ کی وجہ تسمیہ تو معلوم ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ ابولبابہ انصاری صحابی نے اپنے کو اس ستون سے بندھوا لیا تھا کہ جب تک گناہ معاف نہیں ہوگا میں اس سے علاحدہ نہیں ہوں گا۔ مگر جناب ام المومنین کی طرف اس اسطوانہ یعنی ستون کو منسوبیت کیوں ہے؟ یہ معلوم نہ ہو سکا۔

اس کے بعد کان مشتاق رہے کہ یہ آل رسولؐ کی طرف نسبت رکھنے والے کسی مکان یا کسی مقام کا پتہ دیں گے۔ مگر یہ تمنا پوری نہیں ہوئی۔

پھر دروازوں پر نظر کی تو معلوم ہونا چاہیے کہ مسجد نبوی میں ۱۶ دروازے ہیں۔ ان میں کچھ تو بعض اوصاف کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے باب السلام اور باب الرحمہ۔ کچھ مادی شخصیتوں کی طرف جیسے باب مجیدی سلطان عبدالمجید کے نام پر باب عبدالعزیز سابق ابن سعود کے نام پر اور باب السعود حاضر الوقت بادشاہ کے نام پر۔ پھر ایک باب جبرئیل ہے حضرت روح الامین کی طرف منسوب اور ایک باب النساء عورتوں کے داخلہ کا دروازہ ان کے علاوہ جز اسلام کی تاریخی شخصیتوں کے نام کی طرف منسوب ہیں۔ وہ تین دروازے ہیں ایک باب الصدیق دوسرے باب عمر بن الخطاب تیسرے باب عثمان بن عفان اور بس۔

یہ ایسی بات تھی کہ میں نے بعض اپنے احباب اہل سنت کو توجہ

دلائی تو وہ بھی اس کی کوئی وجہ معقول نہ سمجھ سکے۔ اس لیے کہ جمہور کے نقطۂ نظر سے خلفاء راشدین تو چار ہیں اور چوتھے حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں مگر حرم میں تین دیوار کے دروازے موجود ہیں اور حضرت علی بن ابی طالب کے نام کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔

لطف یہ ہے کہ باب الصدیق کے اوپر مسجد کے اندر کی طرف یہ حدیث لکھی ہے۔ فسدں کل خوخة الاخوخة ابی بکر (یعنی) "جتنے روشن دان ہیں مسجد کی طرف سب بند ہو جائیں سوا ابو بکر کے روشندان کے"

مجھے حیرت ہوئی کہ اس مفروضہ روشن دان یا موکھے سے جو ایک غیر مسلم حدیث میں ہے۔ دروازہ ہو گیا۔ اور جو متفق علیہ حدیث "سد و الابواب کلھا الا باب علی بن ابی طالب" جتنے دروازے ہیں مسجد میں وہ سب بند کر دیے جائیں، سوا علی بن ابی طالب کے دروازہ کے" تو اب وہ دروازہ غائب ہے۔

پھر سوچئے اور ہنسنے کو دل چاہے تو ہنسیے اور رونے کو تو روئیے کہ موکھے سے دروازہ بن جائے اور دروازہ جس کا مسجد میں کھلا رکھا گیا ہو اس کا دروازہ بند کیا غائب ہو جائے۔ اب کیا سوا تعصب کے اس کا اور کچھ نام ہو سکتا ہے؟ اور یہ خدا و رسول کے مقابلہ میں ضد اور کد نہیں تھی تو کیا صرف ہمارے مقابلہ میں تھی؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ وھو العلی العظیم ٥

جب شیعہ معلم کا آدمی میرے ساتھ گیا تو خانۂ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا
کی نشان دہی کی۔ یہ خانۂ رسول یعنی مدفن حضرت پیغمبر خداؐ سے متصل ہے
اس طرح کہ صدر کے دوسرے دالان میں قبلہ رخ کھڑے ہوں تو بائیں
طرف روضۂ رسولؐ ہے اور تیسرے دالان تک آجائیں تو اس ہاتھ پر
اب جو جالی دار دیوار ہے وہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مکان
ہے۔ ایک معتبر روایت کے مطابق آپ یہیں دفن بھی ہوئی ہیں بعد
روضۂ رسول اور اس کے درمیان صرف ایک دیوار حائل ہے۔ یہ
مکان کبھی زیارت گاہ خاص و عام تھا جس میں ایک چکی بھی رکھی ہوئی
تھی خود ہی جس سے جناب معصومہ پیستی تھیں یا اس کی یادگار ہو اور
کچھ آثار بھی ہوں گے مگر اب تو اُسے خاردار جالیوں سے بالکل بند
کر دیا گیا ہے اور پاس جانے کا حکومت کی طرف سے جواز نہیں ہے۔ دور
سے دیکھنے پر کچھ دھندلا سا نقشہ نظر آتا ہے کہ اس کے اندر چکی وغیرہ
کی قسم کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں مگر ادھر بطور زیارت رخ کر کے
کھڑا ہونا بھی ممنوع ہے

چار پانچ دن قیام میں اب حرم کے کتبے پڑھے تو ان کے دالانوں
میں تو چاروں طرف حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب سنہری
حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں بعض واقعی حضرت کے القاب
ہیں جو کتب میں درج ہیں اور بعض مصنوعی ہیں کہ چاہے معنی درست
ہوں مگر بحیثیت لقب حضرت کے لئے ثابت نہیں ہیں۔ اب باہر کی طرف

آئے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مسجد نبوی میں ہر طرف والان ہیں اور بیچ کے دالانوں کو حد مشترک دروازے کے دو احاطے ہیں جن کے بیچ بیچ میں ایک صحن ہے۔

ان میں صدر کے رُخ کی طرف بارہ در ہیں۔ دائیں طرف کے دالان میں چھ در ہیں بائیں طرف والے میں چھ در اور سامنے والے میں چھ در۔ اس طرح یہ احاطہ تیس دروں کا ہوا۔ پھر دوسرے احاطہ میں ہر طرف چھ چھ در۔ چاروں طرف چوبیس در ہوئے تو مجموعا دونوں صحنوں میں چوّن در ہوتے ہیں۔ ہر در میں اوپر محراب ہے اور دو دو دروں کے بیچ میں پاکھے ہیں جو ستون کی طرح ہیں۔ یہ گنتی تعداد میں تقریباً اتنے ہی ہوتے ہیں جتنے کہ در ہیں۔ ان ستونوں میں ہر ایک پر ادھر ادھر کی محرابوں کے بیچ میں گول گول سنہری حلقے ہیں جن کے اندر کی زمین سبز رکھی گئی ہے اور ان میں سنہری حرفوں میں اسلام، پیغمبر اسلام یا علوم و معارف اسلامیہ سے متعلق دینی اور تاریخی شخصیتوں کے نام لکھے گئے ہیں، ان ناموں میں صدر میں پہلا نام ابوہریرہ کا ہے اس کے بعد لکھا ہے۔ جس میں مجھے حیرت ہوئی کہ یہ جناب ابوہریرہ کے ساتھ ہمارے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو کیا مناسبت ہے اور اسی چیز نے اشتیاق پیدا کیا کہ میں سر اٹھائے ہوئے آگے بڑھتا جاؤں اور ان تمام ناموں کو سارے حرم بھر میں گھوم کر پڑھ ڈالوں تو میں نے دیکھا تو خاص صفت ان ناموں میں بے ترتیبی ہی کی ہے۔ نام اس طرح غیر منظم طور پر پہلو

یہ پہلو آتے ہیں جیسے یادش بخیر میرے چھوٹے بھائی کاظم صاحب سلمہ، جو اب ماشاء اللہ نجف اشرف میں مشغول تکمیل ہیں، اور ان کے رفقاء بطور ظرافت و خوش طبعی کسی مقرر کی بے جوڑ اور پاشان و غیر مرتبط تقریر کی تمثیل میں بہت سی لفظیں یوں بول جاتے تھے۔ آلو کے کچالو۔ کھڑاؤں کی کھونٹی بگلے کا پر وغیرہ وغیرہ۔ بس وہی صورت ناموں میں مجھے محسوس ہوئی۔ پہلے تو مجھے شبہہ ہوا کہ ابوبکر کے بعد یہ جو حسن لکھا ہے یہ ممکن ہے حسن بصری ہوں مگر آگے دیکھا تو حسن کے بعد عثمان اس کے بعد عمر، اس کے بعد اللہ، پھر محمد۔ پھر ابوبکر، پھر علی، پھر حسین اور اس لائن کے آخر میں عباس (یعنی ابن عبد المطلب) اب اس حسین سے زیادہ خیال یہی تھا کہ وہ حسن حضرت حسن مجتبیٰ ہی ہوا۔ یہ نام تو شاید پورے ہی یاد ہیں۔ شاید ایک آدھ جگہ ترتیب کا فرق ہے۔ اب اسکے بعد پہلی کی طرف آئے تو اب سب ہے۔ نام تو یاد نہیں مگر انھیں غیر مرتب انداز میں ان کی یہ شکل ہے کہ مثلاً ابو ایوب۔ محمد بن ادریس (شافعی) خالد بن الولید، نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) اور ایک دفعہ نظر پڑی "زین العابدین" اب مجھے تعجب ہے کہ حسن و حسین تو خیر ایک معنی سے صحابہ میں بھی داخل ہیں، اگر یہ ان سب میں ہمارے امام زین العابدین کیوں کر آگئے تو اب اور آگے بڑھے مگر اب کہیں دور پہونچ گئے، جیسے معاذ بن جبل اور عبد اللہ بن مسعود، اس میں کہیں پر آخر میں سلمان اور کہیں ابوذر،

اور پھر احمد بن حنبل آ گئے اور پھر ایک مرتبہ نظر آئے علی الرضا اور پھر چند ناموں کے بعد آ گئے محمد الباقر۔ غرض دیکھا تو یونہی بارہ امام کے نام سب درج ملے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ تقریباً بالکل وسط میں (محمد المہدی) لکھا ہوا ملا (عجل اللہ فرجہ واسہل مخرجہ)

اب یہ بات غور طلب ہو گئی کہ یہ بے ترتیبی سہواً تھی یا عمداً اس لاشعوری میں شعور کی کارفرمائی کہاں تک تھی۔ ایسا تو نہیں کہ نام سب کسی ترتیب کے ساتھ ہوتے تو بارہ امام کے نام سمجھ آتے اور وہ کسی بالادست طاقت کے لیے ناقابل برداشت ہوتے۔ اس لیے تعمیر میں دخیل رہنے والے سلسلہ کی کوئی کڑی جو درپردہ ان اسماء متبرکہ کے بھی درج کرنے کی ذمہ دار تھی اس نے اپنے منصوبہ کی تکمیل بے ترتیبی ہی میں مضمر سمجھی۔ بہرحال اسے اللہ کی قدرت سمجھیے یا کسی شخص کا حسن تدبر کہ یہ اسماء طاہرہ بھی مسجد نبوی میں نقش علی الحجر ہو کے قائم و برقرار رہ گئے۔

شہر مدینہ میں گردش کے ذیل میں باب السلام کے سامنے سے جا کر جس سڑک پر پہنچتے ہیں جو اس وقت مدینہ منورہ کی سب سے آباد سڑک ہے، جس میں درمیان میں پارک ہے اور دو رویہ بڑے بڑے چائے خانے ہیں جہاں کئی سو بے فکرے شام کو بیٹھے نظر آیا کرتے ہیں۔ اس سڑک پر چلے جائیے تو سامنے زمانہ پیغمبر خدا کی ایک مسجد الغمامہ ملتی ہے۔ اس مسجد الغمامہ کی طرف

رخ کر کے کھڑے ہوجیے تو دائیں ہاتھ پر ایک مسجد ہے اسے بتایا گیا ہے کہ یہ مسجد علی بن ابی طالب ہے۔ یہاں جا کر میں نے دو رکعت نماز بھی پڑھی اور اتفاق سے یہاں چٹائی کا فرش ہے جس کی وجہ سے سجدہ میں بھی دشواری پیش نہیں آئی۔

مرکز احیاء آثار برّ صغیر
MAAB 1431
maablib.org

موالیانِ آلِ محمدؐ

جب اہل بیت رسولؐ کے بے جان آثار کے ساتھ جمہور کی ذہنیت کا یہ حال ہے کہ مدینہ منورہ میں جو مرکز تھا ان کا کوئی نمایاں وجود برداشت نہیں ہو سکا تو بھلا ان ذوات قدسیہ کے جیتے جاگتے آثار یعنی ان کے مسلک اور تعلیمات کی نام لیوا جماعت کو یہاں نمایاں حیثیت کب حاصل ہو سکتی تھی!

چنانچہ مدینہ منورہ میں معلوم ہوا کہ ہزار پندرہ سو سادات، امام زین العابدینؑ کی اولاد میں ہیں اور غیر سادات بھی اتنے ہی یا اس سے کچھ زیادہ ہیں جو نخاولہ کہلاتے ہیں۔ یہ سب مدینہ کی مرکزی آبادی سے دور دور اطراف میں ہیں اور معاشی اور تہذیبی زندگی کے لحاظ سے پستی میں گرفتار رہیں۔

تنخواہ میں زیادہ تر مزدور معمار اور مختلف اہل حرفہ ہیں جو
محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے ہیں اور سادات اکثر خمس وغیرہ
کے امیدوار رہتے ہیں جو ان کی بسر اوقات میں ممد و معاون ہو سکے۔
چند سال ادھر حاجی داؤد ناصر صاحب نے جب وہ حج کو گئے اور
ان کی حالت سے متاثر ہو کر ایک دینی مدرسہ ان کے یہاں قائم کرا دیا
تھا اور نجف اشرف کے کوئی صاحب علم بزرگ اس میں مدرس ہو گئے
تھے۔ چند سال یہ مدرسہ کامیابی کے ساتھ چلا اور پاکستانی اخبارات
میں اس کے متعلق مضامین بھی نکلتے رہے مگر پھر ارکان حکومت کو
اطلاع ہوئی اور انھوں نے جبراً وہ مدرسہ بند کرا دیا اسی ذیل میں پنجاب
کے کسی شیعہ اخبار غالباً اخبار شیعہ ہی میں یہ روداد بھی پڑھ چکا تھا
مدرسہ کے لیے انھی مرد بزرگوار نے جو وہاں کے مدرس تھے نجف اشرف
جا کر علمی و مذہبی کتابوں کا ایک ذخیرہ خرید کیا تھا جنھیں لے کر وہ واپس
آئے تو کسٹم میں گرفت ہوئی۔ ان کتابوں کے لیے دریافت کیا گیا تو
انھوں نے سچائی اور سادگی کے ساتھ اس مدرسہ کا حال بیان کیا
میں اپنے اس مدرسہ کے لیے کتابیں لے جا رہا ہوں۔ اس پر وہ کتابیں
الگ ضبط ہوئیں اور انھیں چند مہینوں کی حبس الگ ہوئی اور وہ مدرسہ
الگ بند ہو گیا۔
میں اس واقعہ کو اخبار میں دیکھ چکا تھا، اس کے بعد بھی اس کی
پرپردے پڑنا نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ میں اپنے ساتھ دینی

کتابیں لے کر آیا جب یہ کتابیں رد کی گئیں تو اب یہ واقعہ بھی یاد آگیا جو میرے لیے تشویش و اضطراب میں اضافہ کا باعث ہوا مگر اب تو "تیر از کمان جستہ" ہی تھا اور اس کے بعد اب درگاہ باری میں دعا کے سوا تدبیر ہی کیا رہ گئی چنانچہ اب ہر نماز کے بعد دعا میں ان الفاظ کا اضافہ ہو گیا کہ اللھم ارزقنی حج بیتک الحرام فی ھذا العام ۔ مدینہ پہنچ بھی گئے تو کیا۔ ابھی حج کی منزل دور ہے جس کے لیے فقط توفیق قادر متعال درکار ہے ۔

کتنی اس زمانہ کے بعض لوگوں کی ناسمجھی ہے کہ وہ ایسے اتفاقات و واقعات کے ہوتے ہوئے بھی کسی مستقبل کے اپنے عمل کے لیے ان شاء اللہ کے فقرہ کو مولویوں کی خواہ مخواہ کی اپچ کہہ کر اس پر ہنستے اور کہتے ہیں کہ عمل کرنا اپنا کام ہے ۔ اس میں ان شاء اللہ کہنے کا کیا حاصل ہے؟ عمل کرنا بے شک آپ ہی کو ہے لیکن کرنے پائیے بھی تو۔ وہ بغیر مشیت الٰہی کہاں ہو سکتا ہے؟

انسانی تصورات کی دوڑ بھی کیا ہوتی ہے۔ میں مدح کیا لکھ رہا تھا اور یہ لکھتے لکھتے کہاں پہنچ گیا۔ غرض یہ ہے کہ یہ شیعہ بستی جو مدینہ منورہ میں بسا ہے انتہائی بےبس افتادگی کے عالم میں ہے، مذہبی آزادی تو اتنی ہی ہے کہ یہ نماز وغیرہ بس پڑھ لیتے ہیں مگر محرم میں عزائے حسین کا کوئی اور مظاہرہ کیا مجلسیں تک علانیہ نہیں کر سکتے۔

ہمارے بعض شیعہ حجاج کو موقع ملا ہے ان کے یہاں کی دو

maablib.org

ایک مجلسوں میں شرکت کا تو اُنھوں نے بیان کیا کہ مجلس کے وقت دروازہ کیا۔ کھڑکیاں تک بند کرلی گئیں۔ چراغ دھیما کر دیا گیا اور اس کے بعد کافی محتاط آواز کے ساتھ ذاکر نے ذاکری کی اور سامعین نے ایسی ہی احتیاط کے ساتھ گریہ کیا۔ اس طرح ان کے یہاں کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ صاحب حیثیت شردین شیعوں کی بس شیعہ معلم ہیں۔ یہ مدینہ منورہ میں صرف دو آدمی ہیں۔ ایک یہی اسعد امر اللہ حسن کے یہاں ہمارا قیام ہے۔ یہ ہندوستان و پاکستان والوں کے معلم ہیں اور دوسرے کا نام شاید محمد رضا ہے۔ مجھے ان سے ملنے اور ان کے مکان کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہ ایران وغیرہ دوسرے ممالک کے شیعہ حجاج کے معلم ہیں۔

اسعد صاحب کے والد امر اللہ صاحب بھی اپنے زمانہ میں معلمی کرتے تھے مگر شروع میں ان کا بہت معمولی مکان تھا اب ماشاء اللہ انھوں نے کافی ترقی کی ہے اور کر رہے ہیں۔ مکان کی عالیشان عمارت زیر تعمیر ہے جو تیاری کے بعد انشاء اللہ بڑی شاندار چیز ہوگی جو غالباً اکثریت والے معلمین کے مکانوں سے بھی زیادہ امتیازی حیثیت رکھتی ہوگی۔ ان کے ایک صاحبزادے مصر میں زیر تعلیم ہیں۔ اور انجینئری حاصل کر رہے ہیں۔ دوسرے صاحبزادے اپنے والد کے پاس مدینہ منورہ ہی میں ہیں۔

ان کے مکان کی تعمیر میں جو معمار اور مزدور کام کر رہے ہیں

معلوم ہوا کہ وہ سب نخاولہ ہی میں سے ہیں اور وہ کام کے دوران میں اوقات نماز پر کام چھوڑ کے آتے تھے اور میرے پاس کھڑے ہو کر ہاتھ کھول کے نماز پڑھتے تھے تو مجھے ان کی اس محنت و مشقت کے ساتھ اس پابندی شریعت سے بڑا ہی لطف حاصل ہوتا تھا۔ پھر اسعد صاحب کے یہاں سے چائے آتی تھی۔ وہ دہیں زمین پہ بیٹھ کر چائے پیتے تھے اور میری بھی صلاح کرتے تھے مگر میں چونکہ چائے کا عادی نہیں ہوں اس لیے معذرت کر دیتا تھا۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برّیّة
maablib.org

قلبی واردات اور ذہنی تصورات خیالات

مدینہ منورہ آنے سے پہلے بحمد اللہ نجف اشرف کربلائے معلّٰی کاظمین سامرہ اور مشہد مقدس ان تمام مقامات مقدسہ سے مشرف ہو چکا ہوں جو ہمارے روحانی زندگی کے مراکز ہیں مگر یہ قلبی کیفیات یقیناً عمر میں پہلی مرتبہ محسوس کیے جو شہر مدینہ منورہ میں پائیں۔ بات یہ ہے کہ جتنے اور مقدس شہر ہیں سب کا انتساب ہے۔ ان بزرگواروں کی طرف کچھ تھوڑے دن کے قیام اور پھر ایک مختصر البقعہ ارض کی وجہ سے ہو گیا جہاں ان کا مدفن مبارک ہے مگر مدینہ منورہ میں تو ہمارے تقریباً تمام معصومین علیہم السلام کی بود و باش رہی اور زندگی کے تمام دور، بچپنا، جوانی، اور اکثر پیری کی منزلیں بھی گزریں دوسرے شہروں میں جیسے سامرے میں قیام بھی ہوا تو زیادہ تر

نظر بندی کی صورت سے اور مدینہ منورہ میں تو بحیثیت وطن کے یہ بزرگوار زندگی گزارتے رہے۔ معاشرتی تعلقات اور دینی ضروریات کی بنا پر یہاں کے سب ہی کوچہ و بازار اور بہت سے مکانات و مساکن سے ان کا گزر ہوا ہوگا۔

مدینہ باعتبار اپنی ساخت اور عمارتوں کے اب نہ سہی وہ مدینہ جو اس وقت تھا۔ پھر بھی زمین تو وہی زمین ہے۔ فضا تو وہی فضا ہے اور شکست و ریخت کی جو رفتار ہے، اس کو دیکھتے ہوئے ممکن ہے کچھ عرصہ کے بعد ایک کوچہ بھی اب کا باقی نہ رہے۔ مگر ابھی تک کچھ نہ کچھ پرانے دور کی یادگار گلیاں باقی ہیں جن میں بہت ممکن ہے کہ بعض کوچے وہی ہوں جو اس وقت موجود تھے۔ تو مدینہ منورہ میں بلا وجہ بھی دل چاہتا تھا کہ ان گلیوں میں پھرا کرو۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی گلی وہ ہو جس سے ہمارے کسی معصوم کا گزر ہوا ہو اور پھر شاید قدم کسی ایسی زمین پر بھی پڑ جائے جہاں ان کا قدم پڑ چکا ہے۔

مدینہ کے تین طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں صرف ایک طرف شہر کے بڑھنے کی گنجائش ہے۔ دل چاہتا تھا کہ ان پہاڑیوں کو دیکھتے رہیں کہ سب کچھ بدل گیا ہو یہ پہاڑیاں تو وہی ہیں اور ان پر ایک وقت میں ان حضرات کی نگاہ بھی پڑ چکی ہے۔ خصوصاً وہ احد جس کے لیے ایک حدیث میں بھی ہے کہ احد جبل یحبنا و نحبہ۔

اب مادی فلسفہ سے تو اس کا سمجھنا سمجھانا بھی مشکل ہے کہ پہاڑ کس طرح محبت رکھتا ہے اور پہاڑ سے محبت کیوں ہوتی ہے؟ جس طرح خود

ہماری اس قلبی واردات کا کہ دل چاہتا ہے ان گلیوں میں راستہ چلیں اور ان پہاڑیوں پر نظر کریں کسی منطقی فلسفہ پر منطبق ہونا دشوار ہے۔

حرم کے دروازے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے سولہ ہیں میں نے یہ انتظام کیا کہ ہر ایک وقت ہر دروازہ سے داخل ہوں اور دوسرے دروازہ سے خارج ہوں۔ پھر دوسرے وقت اس دوسرے دروازہ سے داخل ہوں اور تیسرے دروازہ سے خارج ہوں، اس طرح مسجد کا اندر اور باہر سے پورا طواف بھی ہو گیا اور پھر یہ تصور بھی تھا کہ ان دروازوں میں کوئی دروازہ تو وہ ہو گا جس سے حضرت سرور عالم اور ان کے حقیقی خلفائے طاہرین آئے گئے ہوں۔ حالانکہ حقیقی نقش قدم پر چلنا جو مطلوب ہے وہ تو سیرت اور کردار میں پیروی ہے۔ اگر یہ قدم کا ان کے محل قدم پر پڑنا جو واقعی مطلوب کا ایک مجازی رخ ہے، ممکن ہے کسی درجہ تک حقیقت کی شکل اختیار کر لے تو پھر بہرحال پیار ہونے میں کیا شبہ ہے۔

اسی مدینہ کے راستوں اور پھر حرم کے دروازوں میں گردش اور آمد و رفت کے ذوق نے مخلوط ہو کر یہ صورت بھی پیدا کی کہ روزانہ ایک دروازہ سے خارج ہو کر جو سامنے کوچہ ملتا تھا اس میں سیدھے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ حدود شہر سے نکل جاتے تھے اور پھر وہاں سے گردش کر کے جو پہلے کوچہ شہر کے اندر جانے والا ملتا تھا اس سے داخل ہوتے تھے اور اسی طرح دوسرے روز اس دوسرے کوچہ سے خارج ہونے اور گھوم کر تیسرے سے داخل ہوتے اس طرح پورے شہر کا بھی

تقریباً طواف مکمل ہوگیا۔ اس ذیل میں ایک طرف حدود مدینہ سے باہر ریل کی پٹری بچھی ہوئی دیکھی معلوم ہوا ٹرکی نے اپنے زمانہ میں شام کی طرف سے مدینہ تک یہ ریل کی پٹری بچھوائی تھی اور ریل چلانے کا ارادہ تھا مگر پھر حجاز سے ٹرکی کا اقتدار ختم ہوگیا اور وہ ریل کی پٹری بطور یادگار بچھی رہ گئی۔ معلوم نہیں اسے بامصرف کیوں نہیں بنایا جاتا اور ریل چلاکر حجاج کے لیے سہولت کیوں نہیں بہم پہنچائی جاتی؟ ممکن ہے اس کا سبب حجاز میں کوئلہ کی کمی ہو جبکہ پٹرول کے چشمے موجود ہیں اس لیے موٹروں میں شدت کے ساتھ فراوانی ہوتی جاتی ہے۔

زمانہ قیام مدینہ منورہ میں خیالات و تصورات بہت آتے رہے۔ ایک سب سے بڑا تو یہ کہ جنت البقیع کے مقابر کی بربادی پر جسے اب تو ایک قرن (۲۵ برس) سے زیادہ ہوگئے۔ کروڑہا نفوس کی عالم اسلام میں بے چینی اور ان کی بارگاہ احدیت میں مخلصانہ التجائیں اب تک بے اثر رہیں۔ میں نے سوچا کہ خود ائمہ معصومین علیہم السلام اپنی اس حیات عنصری میں اسلام کی تقویت شیرازہ بندی اور ترقی کے مفاد کو سامنے رکھ کر مظالم برداشت کرتے رہے تو بعد وفات بھی یہ ان نفوس قدسیہ کا ایثار و تحمل ہے کہ وہ مملکت حجاز میں اصل امن و امان کو جو اس حکومت کی بدولت ہے اور نماز وغیرہ شعائر اسلامیہ کی اس شدت کے ساتھ ہمہ گیر پابندی کی تبلیغ کو حرمین شریفین میں نمایاں طور پر مشاہدہ میں آتی ہے اور اس شوکت اسلامی کے ظہور کو جو مملکت حجاز کے

تعمیری منصوبوں کی شکل میں سامنے ہے۔ مغتنم سمجھ کر اپنی ذات پر ان مظالم کو گوارا کیے ہوئے ہیں تو اس وقت سلمان و ابوذر و مقداد ایسے نفوس قدسیہ کے دلوں کی بے چینی ان جذبات سے بلند ہستیوں کے حلم و تحمل میں فرق نہ لا سکی تو ہمارے ایسے لاکھوں آدمیوں کی قلبی بے تابی ان کی ایثار پسندی اور مفاد اسلامی کی حکیمانہ نگہداشت پر کیوں کر اثر انداز ہو سکتی ہے؟

ایک خیال یہ آیا اور تقویت پاتا گیا کہ یہاں بالکل بے اصولی ہے جنت البقیع میں عورتوں کے جانے کی سخت ممانعت ہے اس لیے کہ ان کے یہاں حدیث ہے لعن اللّٰہ زائرات القبور پھر روضۂ نبوی کے پاس عورتوں کو زیارت کے لیے کیوں جانے اور زیارت پڑھنے دیا جاتا ہے؟

قبور میں کسی طرح کا امتیاز اگر ناروا ہے تو جنت البقیع کی چار دیواری کے اندر بہت سے دائرے الگ الگ کھیتوں کی مینڈھوں کی شکل کے کیوں ہیں ان میں مخصوص احاطوں میں جیسے ہمارے ائمہ طاہرین اور ابراہیم فرزند حضرت رسولؐ اور ازواج رسولؐ اور بنات رسول کے یہاں یہ ہلالی شکل کے گول گول پتھروں کو چن کر دائرے کیے بنائے گئے ہیں اور اگر یہ جائز ہے تو اگر انہی پتھروں کی ذرا خوشنما دیواریں تعمیر ہو جائیں تو اس میں کیا حرج ہے اور اگر ان کے فقہ میں قبر پر سایہ ہونا ناجائز ہے تو کسی انجینئر سے ایسی تعمیر کا نقشہ بنوایا جا سکتا تھا

کہ قبور مطہرہ کا شان و اعزاز بھی ایک حد تک نمایاں ہو جائے اور ان کی فقہ کی مخالفت بھی نہ ہو۔

اس سلسلہ میں ایک دفعہ یہ خیال آیا کہ یہاں تقیہ کا ہمہ گیر دور دورہ ہے۔ وہی تقیہ ہے جسے جمہور ہماری فرد قرار داد جرم میں بڑا اہم گناہ سمجھتے ہیں وہ یہاں اتنے جاہ و جلال کے ساتھ کارفرما ہے کہ اس سے شاید کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ بعض کا تقیہ حقیقت میں تقیہ ہو اور بعض کا واقعہ منافقت کا مصداق ہو مگر عمل اس طرح کا جو تقیہ میں ہوتا ہے ملکی اور غیر ملکی سب میں نافذ و جاری ہے۔ خود حکومت کے مسلک میں سب سے بڑا قابل انہدام معاذ اللہ صنم اکبر قبۂ نبوی ہے جسے عالم اسلام کی برہمی کے خوف سے برقرار رکھا گیا ہے پھر وہ ہیں. اور ہمارے علاوہ وہ بھی بڑی مسلم اکثریت کو مشرک سمجھتے ہیں تو ان کا داخلہ بھی مسجد الحرام میں ممنوع ہونا چاہیے مگر وہ ایسا نہیں کرتے۔

جنت البقیع میں اس حد تک بھی جو امتیاز قائم کیا گیا ہے وہ کسی حد تک حجاج و زائرین کی دلجوئی ہی پر مبنی ہے اور اگر عالم اسلامی کی اکثریت ان قبور مطہرہ سے زیادہ وابستگی ظاہر کرتی تو اس سے زیادہ ہو جاتا مگر وہ جانتے ہیں کہ ان سے وابستگی رکھنے والے بس مسلمانوں کی اقلیت کے افراد ہیں جن کی زیادہ خاطر داری کی ان کو ضرورت نہیں ہے۔ نہ ان سے انھیں کچھ خوف ہے۔

اب دوسری طرف دیکھیے کہ حجاج جو بھی آتے ہیں ان میں زیادہ تر

وہ ہیں جو روضۂ نبویہ کو مسمار نہیں کرنا، اسے بوسہ دینا اور مراسم تعظیم و تکریم بجالانا عبادت الٰہی سمجھتے ہیں اور اس بارگاہ سے توسل کو باعث قبولیت دعا جانتے ہیں مگر حکومتِ وقت کی سطوت و شوکت کے خوف سے وہ الگ کھڑے ہو کر چپ چاپ زیارت کر لیتے اور پڑھ لیتے ہیں اور قریب جانے کے لئے قدم آگے نہیں بڑھاتے۔ یہ تقیہ نہیں تو اور کیا ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے خود اہل مدینہ کی اکثریت حکومت وقت کی ہم مسلک نہیں ہے مگر وہ بھی آداب و قوانین حکومت کی پیروی کرتے ہیں اور اسی بنا پر یہ جو یہاں آنے کے پہلے میں نے سنا تھا کہ اب پہلا سا تشدد نہیں ہے اس میں میرے نزدیک واقفیت نہیں ہے اصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمان پہلے طریقوں کے عادی تھے اس لیے جوش و خروش میں وہ اکثر روضے سے جا کر لپٹ جایا کرتے یا توسل وغیرہ کے الفاظ زبان پر جاری کر لیا کرتے یا ضریح کو بوسہ دینے دوڑ جایا کرتے تھے تو حرم نبوی میں زدوکوب اور تازیانہ بازی کی مشق کا مظاہرہ ہوا کرتا تھا اب اتنی طویل مدت میں مسلمان جو آتے ہیں وہ سب سمجھ چکے ہیں کہ یہ باتیں نہیں کرنا چاہئیں اس لیے ان میں سے کوئی ضریح کی طرف جاتا ہی نہیں تو سپاہیوں کو مشق تازیانہ وغیرہ کا موقع نہیں ملتا اس لیے گزشتہ دور کی بہ نسبت تشدد کی کمی محسوس ہوتی ہے، ورنہ اگر اب بھی کوئی ان کے قانون کے خلاف عمل کرے تو سپاہی اب بھی اس پر تیار بیٹھے ہیں کہ وہ اس کی ویسی ہی تواضع کریں جیسی پہلے ہوتی تھی۔

مسجد قبا اور مزار حضرت حمزہ وغیرہ

مدینہ منورہ میں علاوہ مسجد نبوی کے چند زیارتیں اور ہیں۔ اس کے لیے ایک دن مقرر ہوا اور ہم سب لوگ یعنی میں اور خوجے حضرات ایک ہی موٹر میں معلم صاحب کے آدمی کے ساتھ ان زیارات کو گئے۔

پہلے مسجد قبا کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو مکہ معظمہ سے ہجرت اور مدینہ منورہ کی تشریف آوری کے بعد تعمیر ہوئی۔ یہاں دو رکعت نماز پڑھی اور معلم صاحب نے ایک دعا پڑھائی۔ مسجد کے پاس ایک مکان کو بتایا گیا کہ یہ خانۂ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ہے۔ ممکن ہے ابتدائے زمانۂ ہجرت میں جب تک مسجد نبوی کے پاس والے حجرے اور مکان تعمیر نہیں ہوئے تھے، حضرت فاطمہ زہراؑ اور دیگر مخدرات جو حضرت امیرؑ کے ساتھ مکہ معظمہ سے آئی تھیں

maablib.org

اس مکان میں مقیم رہی ہوں۔

اس کے بعد کوہ اُحد کی طرف گئے۔ یہاں جناب حمزہ اور دیگر شہداء کے روضے تو منہدم کیے جا چکے ہیں۔ بس ایک احاطہ ہے جو تمام شہداء کا ہے اور ایک احاطہ میں قبر جناب حمزہ ہے۔ یہاں دور سے کھڑے ہو کر زیارتیں پڑھی جاتی ہیں۔ قریب ایک مسجد ہے جو بہت ہی خراب حالت میں ہے، نہ پلاسٹر ہے، نہ سفیدی اور زمین پر فرش بھی نہیں ہے۔ اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد نئی چیز یہ دیکھی کہ روضۂ حضرت حمزہ کے قریب ایک چھوٹا سا چشمہ ہے جس کی وسعت تو ایک حوض سے زیادہ نہیں ہے مگر اس میں پانی زمین سے ابلتا رہتا ہے اس میں لوگ ننگے پیر ہی نہیں بلکہ بہت سے جوتوں سمیت بھی اترے ہوئے نظر آتے ہیں اس کے باوجود کچھ لوگ اس سے وضو کر رہے ہیں۔ کچھ بطور تبرک پی رہے ہیں اور کچھ سر پر ڈال رہے ہیں اور حامی سنت و ماحی بدعت حکومت اس کو بنا رکھے ہوئے ہے۔ اس چشمہ سے تبرک و استشفا سب درست اور جناب حمزہ کی قبر شریف کو ہاتھ سے مس کرے تو وہ حرام و ناجائز ہی نہیں بلکہ شرک اور بڑا شرک ہے۔

یہاں کی زیارت کے بعد مسجد ذات القبلتین گئے یہ کافی فاصلہ پر ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں پیغمبر خدا ؐ نماز میں مصروف تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور آپ نے بیت المقدس سے رخ بدل کر کعبہ کی جانب رخ کیا۔ آپ کے ساتھ ساتھ پوری جماعت کو رخ بدلنا پڑا۔

یہاں تک کہ روایت یہ ہے کہ مرد جہاں پر تھے وہاں عورتیں آگئیں اور عورتوں کی جگہ پر مرد آگئے یہاں بھی دو رکعت نماز اور دعا پڑھی گئی۔ اس کے بعد غزوۂ خندق جسے جنگ احزاب بھی کہتے ہیں جس جگہ ہوا تھا وہاں گئے۔ یہاں خندق جو کھودی گئی تھی اس کا نشان بھی ہے اور متعدد مسجدیں بھی ہیں جن میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔

محسوس ہوا کہ مدینہ منورہ سے سب سے زیادہ قریب محل وقوع جنگ احد کا ہے اور سب سے دور جنگ بدر ہوئی ہے جہاں مدینہ منورہ کے راستے میں قیام ہوا تھا اور احزاب کا فاصلہ اوسط درجہ کا ہے، ہاں خیبر اور حنین کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا وہ معلوم نہیں بدر سے فاصلہ میں زیادہ ہیں یا کم۔

عالی مرتبت سفیر ہند سے ملاقات

اس کے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جدہ میں ہز ایکسیلنسی مصطفیٰ کامل صاحب قدوائی سے ملاقات نہیں ہوئی ہاں ڈاکٹر حسین صاحب نے کہا تھا کہ وہ اس کے بعد چند روز میں مدینہ منورہ آئیں گے وہاں مل لیجئے گا۔ اس وقت سفارت خانہ کے ایک صاحب موجود تھے۔ مدینہ منورہ میں میرے قیام کو آٹھ دن ہوئے تھے کہ حرم سے زیارت کرکے نکلتے ہوئے سفارت خانہ کے یہ صاحب مل گئے اور انھوں نے کہا کہ قدوائی صاحب آگئے ہیں۔ اصطفا منزل میں

مقیم ہیں۔ میں وہاں گیا تو وہ کہیں اندر تھے۔ آدمی نے باہر کمرے میں بٹھایا۔ تھوڑی دیر میں وہ باہر نکلے تو میری صورت ہی دیکھ کر سمجھ گئے کہ میں کون ہوں وہ یہاں ہندوستانی ڈسپنسری کے لیے جگہ تجویز کرنے کو آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ پہلے تو مجھے ساتھ لیے ہوئے قریب ہی احمد حسین منزل جو ہمارے سابق ہم محلہ خان بہادر احمد حسین صاحب کی بنوائی ہوئی ہے چلے گئے اور اسے گھڑے کھڑے دیکھا اس نقطۂ نظر سے کہ یہ ڈسپنسری کے لیے موزوں ہے یا نہیں۔ پھر واپس آکر اصطفا منزل میں پہونچے۔ دفتر میں بیٹھے اور مجھ سے بات کرنے لگے، معلوم ہوتا تھا کہ انھیں خود اس کا احساس ہے کہ عسکری صاحب کے جو خط ان کے پاس میرے لیے آئے تھے ان کی بنا پر انھیں جو کرنا چاہیے تھا وہ انھوں نے نہیں کیا چنانچہ ارشاد فرمانے لگے کہ عسکری نے میرے نام دو خط لکھے تھے۔ مجھے ان میں سے ایک ملا اور اس میں جہاز کا نام نہیں لکھا تھا، اب ہر شخص سوچے تو سمجھ سکتا ہے کہ عسکری صاحب نے جو دو خط لکھے تھے ان میں سے اگر پہلا خط پہنچا ہے تو اس سے یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ انھوں نے دو خط لکھے ہیں اور اگر دوسرا خط پہنچا تو یہ خط تو لکھا ہی اس ضرورت سے گیا تھا کہ پہلے خط میں جہاز کا نام نہیں تھا لہٰذا دوسرے خط کے ذریعہ جہاز کے نام سے اطلاع دی جائے پھر یہ کیوں کر فرما رہے ہیں کہ اس خط میں جہاز کا نام نہیں تھا مگر کیا کیا جائے اسے میری چاہے کمزوری سمجھا جائے کہ میں ایسے موقعوں

پر بے وقوف بن جایا کرتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں بے وقوف بن گیا اور ان کے ارشاد پر بجا اور درست کہتا رہا اور وہ مطمئن ہو گئے کہ انھوں نے مجھ سے کامیاب معذرت کر لی۔

بہر حال یہ چیز میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی کہ بڑے آدمیوں کو اس طرح کی باتوں کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ ہاں مگر اس زمانہ میں تو یہ حسن اخلاق کا خاص تقاضا سمجھا جاتا ہے اور یہی جسے نہیں آتا یا جو اسے پسند نہیں کرتا اسے اس زمانہ میں بد اخلاق سمجھا جاتا ہے۔

اس کے بعد سفیر محترم نے کچھ میری کتابوں کے متعلق پوچھا پھر کہا کہ چند روز کے بعد میں مکہ معظمہ بھی آؤں گا۔ اس وقت تک اگر کچھ نہ ہوا تو مجھ سے کہیے گا۔ میں آپ کے معلم کو تاکید کر دوں گا کہ وہ کیا کرے۔ اسکے بعد میں ان سے رخصت ہوا انہی تاثرات کو لیے ہوئے جو اوپر درج کیے گئے۔

گمنامی کے دلچسپ کیفیات مدینہ منورہ کے اندر عمر میں پہلی دفعہ چند دن ایسے گزرے جبکہ بلا استثناء عالم عنصری کا ایک متنفس بھی مجھ سے واقف نہ تھا اور مجھے اس گمنامی میں بڑا لطف محسوس ہوا۔

السید امر اللہ کو بس اتنا میں نے بتا دیا تھا کہ میں شیعہ ہوں جس کی وجہ سے انھوں نے مجھے جگہ دے دی مگر اس کے علاوہ نہ انھوں نے پوچھا نہ میں نے بتایا کہ میں کون ہوں

یہاں جو لوگ مقیم تھے وہ بس پانچ خوجہ حضرات تھے جن میں سے تین بمبئی کے تھے اور دو بمبئی کے پاس جو باندرہ ایک مقام ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے کوئی شخص مجھے نہیں جانتا تھا نہ میں نے انھیں کچھ بتایا۔

پہلی دفعہ معلم کے آدمی کے ساتھ ہم سب لوگ زیارت کے لیے گئے اس کے بعد دوسری دفعہ جو گئے تو معلم کا آدمی ساتھ ساتھ نہ تھا۔ میں نے مختصر زیارت پڑھی جیسے میرے ساتھ ان لوگوں نے بھی پڑھ لیا اس وقت انھوں نے اتنا سمجھا کہ زیارت کے موقع پر انھیں ساتھ رکھنا چاہیے تو زیارت پڑھنے میں آسانی ہو گی چنانچہ انھوں نے بمبئی کے عالم آقا شیخ محمد حسن نجفی دام ظلہ کی کتاب "ارمغان اسلام" مجھے دے دی کیونکہ میرے ساتھ کی کتابیں تو کسٹم میں رہ گئی تھیں اب کتاب ملی تو میں نے اذن دخول اور سب زیارتیں پڑھائیں اس کے بعد انھوں نے اس وقت تو کچھ نہیں کہا مگر جب میں ایک دفعہ زیارت کو تنہا چلا گیا تو بعد میں انھوں نے شکایت کی کہ ہم تو منتظر تھے کہ آپ حرم چلتے وقت ہمیں اطلاع دیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ چلیں۔ اب میں پابند ہو گیا کہ جب جانے لگوں تو سب کو خبر کر دوں اور وہ سب بھی تیار ہو کر میرے ساتھ جائیں۔ اس طرح میرے اور ان کے درمیان رابطہ زیادہ پیدا ہو گیا۔ اب ایسا اتفاق بھی ہوا کہ واپسی میں بازار سے کوئی چیز انھیں خریدنا ہوئی، انھوں نے اپنی ترجمانی میں کہا دوکاندار

maablib.org

نہ سمجھا تو میں نے عربی میں کہدیا۔ اب یہ لوگ سمجھے کہ یہ اس کام کے بھی ہیں کہ بازار میں جب جائیں تو ان کے ساتھ جائیں۔ تب خریداری میں آسانی ہوگی۔ پھر حج کے مسائل کا کچھ ذکر ہوا تو میں نے کچھ معلومات کا اظہار کر دیا تو یہ سمجھے کہ انھیں کچھ فقہ کے مسائل بھی معلوم ہیں اس سب سے انھوں نے بس اتنا سمجھا کہ یہ آدمی کام کا ہے اور حج میں اس کا ساتھ ہونا ہمارے لیے مفید ہے جس میں اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں سمجھے۔ ایک دفعہ میں نے یہ بتایا کہ میں یونیورسٹی میں پڑھاتا ہوں چونکہ انھیں یونیورسٹی کے مفہوم کا تصور ہی نہیں تھا اس لیے انھوں نے یہ سمجھا کہ ان کا کام بچوں کو پڑھانے کا ہے لہٰذا وہ ایک روز انھوں نے مجھے ماسٹر صاحب × کہا۔ ہاں یہاں کے قیام کو چھ دن ہوئے تھے کہ تبتیوں کا ایک قافلہ آیا یہ بھی پانچ آدمی تھے انھوں نے پہلی ہی نظر میں میری صورت دیکھ کر کچھ ایسا محسوس کیا کہ میرے پاس بیٹھ کر مسائل حج پوچھنا شروع کر دیے مجھے گھیرے رہنے لگے اور بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ ہمیں تردد تھا کہ جا تو رہے ہیں مگر ہمارا حج کیوں کر صحیح ہوگا اب آپ کے ساتھ ہونے سے یہ اطمینان ہو گیا کہ حج صحیح ہو جائے گا۔ مگر ان کے یہاں تبت میں علماء عموماً پیر سید ہوتے ہیں اور شیخ کہلاتے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے مجھے شیخ صاحب کہنا شروع کر دیا۔ لیکن منشی جی کہا گیا تو مجھے ناگوار نہیں ہوا۔ ہنسی آئی۔ ماسٹر صاحب کہا گیا تو شاق نہیں گزرا بلکہ دلچسپ معلوم ہوا مگر انھوں نے شیخ صاحب کہکر بات کی تو مجھے

جیسے تکلیف محسوس ہوئی اور کہنا پڑا کہ شیخ صاحب مجھے نہ کہیے اس کے بجائے سید صاحب کہہ سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا اچھا تو پھر آغا صاحب کہیں گے اس کے بعد سے وہ آغا صاحب کہنے لگے اور بمبئی کے خوجہ صاحبان نے سن لیا تو وہ اب سید صاحب کہنے لگے۔ اس کے بعد ایک خوجے صاحب کی اہلیہ نے ان سے کہا۔ ذرا مولوی صاحب سے یہ بات پوچھ دیکھیے تو انھوں نے ڈانٹ کر کہا۔ مولوی صاحب نہیں سید صاحب کہو۔ پھر کچھ سوچ کر آہستہ سے مجھ سے پوچھا کہ آپ مسئلے وغیرہ تو بتاتے ہیں۔ زیارت بھی پڑھا دیتے ہیں۔ اگر آپ کو مولوی صاحب کہا جائے تو کوئی حرج ہے؟ میں نے کہا نہیں، اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اب انھوں نے خوش ہو کر اپنی بیوی سے کہا کہ اچھا مولوی صاحب کہو۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد سے یہ مولوی صاحب کہنے لگے، باندرہ کے حاجی صاحب نے کچھ دن کے بعد مولانا صاحب کہنا شروع کر دیا اور بعد میں مجھ سے کہا کہ میں نے خود سوچا تو سمجھ میں آیا کہ آپ مولوی صاحب کے درجہ سے کچھ اونچے آدمی ہیں۔

غرض میں ان لوگوں کے لیے ایک ایسا خواب بنا رہا جس کی تعبیریں مختلف سمجھ میں آتی تھیں لیکن بمبئی کے خوجے صاحب اپنے کو ہمہ دان سمجھتے تھے اس لیے ان کی مہربانی مجھ پر یہ تھی کہ وہ مجھے گھنٹہ بھر بٹھا کر اپنے معلومات مجھے بتاتے تھے اور میں "ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم" ہی نہیں بلکہ غٹ غٹ بلکہ آن میدم

دمم نہ کشیدم" کا مصداق بنا ہوا صبر و تحمل سے سنا ہی نہیں کرتا تھا بلکہ لطف اندوز ہوتا تھا۔ کہیں یہ کبھی کہا کہ اس کی کچھ اصلیت نہیں ہے تو انھوں نے ماننے سے انکار کیا اور کہا آپ کو معلوم نہیں ہے اس پر میں نے خاموشی اختیار کی اور پھر ردّ و قدح ترک کر دی۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

اردو کی ہمہ گیری اور وسعت

پہلے بھی کچھ اندازہ تھا اور اب اس سفر میں بڑی قوت کے ساتھ اس کا احساس ہوا کہ ہندوستان کے شرق غرب میں ارتباط پیدا کرنے والی صرف اردو زبان ہے۔

جدہ سے مدینہ منورہ تک کے سفر میں موٹر پر صرف میں یوپی کا تھا۔ دو آدمی بمبئی کے تھے اور باقی سب بنگالی تھے۔ بنگالی جب اپنی زبان میں آپس میں باتیں کرتے تھے تو نہ میں سمجھتا تھا اور نہ بمبئی والے۔ اسی طرح جب بمبئی والے آپس میں کچھ کہتے تھے تو نہ میں سمجھتا تھا اور نہ بنگال والے مگر میں جو کہتا تھا وہ بمبئی والے بھی سمجھتے تھے اور بنگال والے بھی۔

اب مسافر خانہ میں میرے ساتھ بمبئی والے ہیں اور تبت والے یعنی بلتستان کے باشندے جو اپنے کو پاکستانی کہتے ہیں اس لیے کہ وہ اس آزاد کشمیر سے ملحق ہے جو پاکستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ اب بھی یہی صورت ہے کہ بمبئی کے خوجے ان کی زبان نہیں

مجھے اور یہ ہمبئی کے خوجوں کی نہیں اور میں ان میں سے کسی کی بھی نہیں سمجھتا مگر میری زبان سب سمجھتے ہیں اور یہ لوگ بھی جب باہم مفاہمت چاہتے ہیں یا مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں تو اردو ہی بولنا پڑتی ہے مگر یہ اردو کیا ہوتی ہے؟ اس کا کیا کہنا، پھر بھی یہ اردو زبان کی وسعت ہے کہ جیسے یہ بولتے ہیں، بلاشبہ ہوتی ہے۔ اردو ہی اور یہی اردو زبان کی لچک غالباً وہ چیز ہے جو اس کے بقا کی ضمانت رکھتی ہے یعنی وہ ہر زبان کی لفظوں کے ہمنوئے جانے کے بعد بھی اردو رہتی ہے۔

اسے یوں سمجھنا چاہیے کہ میر تقی میر کی ہلکی پھلکی زبان، نظیر اکبر آبادی کی بازاری زبان، میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے گھر کی سلیس اور شائستہ روال زبان، مرزا صاحب کی عربی آمیز مغلق زبان اور مرزا غالب کی فارسی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ان کے اشعار والی زبان اور ڈاکٹر اقبال صاحب کی ان کے خیالات کے کھرا دپر چڑھائی ہوئی مصنوعی زبان سب ہی تو ہیں اردو ہی۔

"رات کو چور آیا"، جیسے اردو ہے "لیلۂ بارحہ میں سارق آیا" بھی اردو ہی کا جملہ ہے اور "شب گذشتہ دزد نے قدم رنجہ کیا" بھی اردو ہی اور اسی کو انگریزی الفاظ سے مرصع بنایا جائے جیسے بہت سے صاحب بہادر قسم کے حضرات عرصہ سے جب اردو بولنے کا شوق فرماتے ہیں تو بولتے ہیں، وہ بھی اردو ہی ہوتا ہے اور اسی

لیے میں اسے کوئی سانحہ نہیں سمجھتا کہ آج کل اس میں سنسکرت
الفاظ شریک کیے جا رہے ہیں۔ اس سے زبان بدلے گی کبھی نہیں، ہم
پھر کہ ہماری بول چال کی زبان رہے گی اردو ہی۔ چنانچہ یہ
خوجے صاحبان اور بلتستانی صاحبان جو چیز بولتے تھے وہ باہم
مختلف اور پھر عجیب و غریب ہوتے ہوئے بھی ہوتی تھی اردو ہی
اور وہی ہم لوگوں میں تفاہم کا باہمی ذریعہ تھی۔

مرکز احیاء آثار برصغیر
MAAB 1431
maablib.org

روانگی کی تیاری

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک مہینے قیام کا ارادہ تھا مگر یہاں پہلے ہی دن جائے قیام کی گرانبہائی کا جو اندازہ ہوا تھا اس کی بنا پر مجھے اندیشہ تھا کہ اسعد امر اللہ نے ابھی اگرچہ کچھ کہا نہیں ہے، مگر معلوم نہیں ان کا کتنا مطالبہ ہوگا۔ پھر یہ کہ جب یہاں یہ حال ہے تو مکہ معظمہ میں کیا عالم ہوگا اور ابھی غنیمت ہے کہ حجاج آئے نہیں ہیں سب مکان خالی ہیں مگر جب حاجیوں کی کثرت ہو جائے گی اور مکان ملو ہو چکے ہوں گے تو پھر جگہ کیونکر ملے گی؟ اس کے علاوہ سفر اور قیام ہر چیز میں تنہا آدمی کے لیے بڑی دقت ہے۔ یہاں لے دے کر ہمراہی ہیں تو یہ خوجے حضرات وہ بھی اپنی مصالح سے دس دن کے بعد مکہ معظمہ جانے کے لیے آمادہ ہیں تو ان کا ساتھ کیونکر چھوڑا جائے؟ ان سب وجوہ سے مجبوراً میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ مدینہ منورہ میں بس دس دن کی قیام کی مدت پوری ہونے کے بعد مکہ معظمہ روانہ ہو جاؤں یہ دس دن موٹر کمپنی کی طرف سے بھی مقرر ہیں، کہ ان میں مسافر بلا تکلف رہ سکتا ہے اس کے بعد اگر قیام کرے تو ہر دن کے لیے ایک ریال دینا پڑے گا ہم لوگوں نے چاہا کہ ایک شب جمعہ یہاں اور ہو جائے۔ اس لیے روز جمعہ بعد عصر روانگی کے لیے طے کیا یہ گیارھواں دن ہوتا تھا اس لیے ہم لوگوں سے ایک ایک ریال اس دن کا لے لیا گیا۔

ہدایہ برائے کتب خانہ عمدۃ العلماء
برائے ایصال ثواب
سید محبوب علی وسید جواد علی مرحومین
پسران سید حشمت علی مرحوم
سیدواڑہ صفی پور، ضلع اناؤ

تقاضائے حقوق اور وداعی زیارت

مدینہ منورہ آنے کے بعد پہلی زیارت تو اپنے ہی طرف کی تھی اس کے بعد میں نے التزام کیا کہ جن کے حقوق لازم الوفاء ہیں جہاں تک ممکن ہو ان کی طرف سے زیارات بجالاؤں چنانچہ دین و دنیا کے حقوق کے لحاظ سے معصومین علیہم السلام کے بعد سب سے مقدم ذات والد علام اعلی اللہ مقامہ کی محسوس ہوئی۔ اس لیے پہلا دور زیارت کا ان کی طرف سے۔ پھر اسلاف میں سب سے پہلے جناب غفران مآب اور پھر علی الترتیب جناب سید العلماء، ممتاز العلماء، اور جد علام سید ابراہیم صاحب قبلہ تک سلسلہ پہنچایا۔ آبائے کرام کے دیگر روحانی ایمانی اساتذہ کی طرف نظر گئی تو ان میں میں نے یہاں حجۃ الاسلام آقا میرزا ابوالحسن مشکینی اعلی اللہ مقامہ کو منتخب کیا اس لیے کہ والد ماجد اعلی اللہ مقامہ کے علاوہ دیگر تمام اساتذہ میں سب سے زیادہ فائدہ مجھے ان سے پہنچا ہے اور وہ مجھ سے محبت بھی انتہائی درجہ پر فرماتے تھے۔

حدیث میں مَنْ عَلَّمَکَ کا مرتبہ مَنْ وَلَدَکَ سے بالاتر قرار

دیا گیا ہے مگر میرے آبا صرف آبا نسبی ہی نہ تھے بلکہ آبا تعلیمی بھی تھے وہ جامع حیثیتیں تھے۔ اس لیے میں نے ان کو مقدم سمجھا۔

اچھا! میں خسر معظم جناب حاجی میر سید حسن صاحب قبلہ کی طرف سے نائب الزیارۃ ہوا اور ان سب کے بعد یہ محسوس ہوا کہ جس کا سب سے زیادہ ساتھ رہا ہے۔ اس کا حق سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے یعنی اپنی شریک حیات کی طرف سے زیارت کی اس سے زیادہ مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام نے وفا نہ کی، آخر میں رخصتی دن آگیا اور وداعی زیارتوں کا سرانجام ہونے لگا۔

لذت تلاوت

مدینہ منورہ میں اور بالخصوص مسجد نبوی کے اندر بیٹھ کر مجھے قرآن مجید کی تلاوت میں بڑی لذت محسوس ہوئی تھی اس تصور سے کہ جہاں زیادہ تر یہ کلام معجز نازل ہوا ہے، وہیں بیٹھ کر اس کی تلاوت ہو رہی ہے۔ پہلے تو ارادہ تھا کہ ایک مہینہ قیام ہوگا۔ اس لیے اس رفتار سے تلاوت شروع کی تھی مگر اب آخری دو چار دن میں روانگی طے پا گئی تو اب کافی وقت روزانہ صرف کرنا پڑا کہ مسجد کے اندر ایک قرآن پورا ہو جائے چنانچہ بحمد اللہ قیام کے آخری دن تک پورا قرآن مکمل ہو گیا۔

گھر کی خیریت

ہندوستان سے چلتے وقت ہی یہ تصور تھا کہ وہاں جا کر گھر کی خیریت کیونکر معلوم ہو گی۔ اس لیے میں نے چار باغ اسٹیشن پر عبد الہادی سکندر

صاحب سے یہ کہا تھا کہ وہ ابھی سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا ایک ایک پتہ ایسا بتا دیں جس پر اگر خط جائے تو مجھے پہنچ جائے چنانچہ انھوں نے یہ دو پتے اسی وقت نوٹ کردیے تھے

مدینہ منورہ اصطفا منزل..........الخ

مکہ معظمہ محلہ جیاد بتوسط عبد الہادی سکندر......

یہ دونوں پتے میں نے بمبئی سے لکھنؤ اور الہ آباد کے خطوں میں لکھ دیے تھے اور ہدایت کی تھی کہ جو خط جائے وہ مدینہ منورہ کے پتے پر تاکہ مجھے وہاں جاکر خیریت معلوم ہو جائے۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد اب روز کا مشغلہ یہ بھی ہو گیا کہ حرم اقدس سے صبح کی زیارت کے بعد نکلے تو سیدھے اصطفا منزل پہنچ گئے جو باب مجیدی کے بالکل سامنے ہے۔ وہاں دفتر میں ہیز پر وہ خطوط رکھے رہتے تھے جو حاجیوں کے نام آئے ہیں ان میں خود ہی تلاش کرتے تھے مگر روز ناکامی ہوتی تھی۔ نجانیں کہاں کہاں کے اور کس کس کے خط ہوتے تھے مگر اپنے نام کا کوئی خط نہ ہوتا تھا۔ اب یہاں سے چل چلاؤ لگ گیا تو مایوسی ہو گئی تھی کہ اب خیریت معلوم ہونا دشوار ہے کیونکہ اس کے بعد اگر کوئی خط آیا بھی تو ہم یہاں نہ ہوں گے۔ یہاں کس کو یہ توفیق ہے کہ مکہ معظمہ کی طرف منتقل کر دیے مگر تقریباً آخری دن جو میں حسب عادت گیا تو خطوط میں الہ آباد سے میرے داماد سید نعیم الحسنین صاحب سلمہٗ کا خط دستیاب ہو گیا۔

چونکہ لکھنؤ سے روانگی کے پہلے میں نے ان کو اطلاع دی تھی اور یقین تھا کہ وہ مع نور چشم سلمہا کے ضرور آجائیں گے مگر میری روانگی تک یہ لوگ نہیں آئے۔ اس پر میں نے بمبئی سے اظہار تشویش کا خط لکھا۔ اب اس لفافہ میں ان دونوں آدمیوں کے خط تھے اور دونوں گویا مرثیہ تھے جن کو پڑھ کر مجھ ایسے بے حس آدمی کی بھی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

معلوم ہوا کہ ڈاک کی ستم ظریفی سے یہ خط ان کو عید کے دوسرے دن ملے یعنی اس وقت جب میں بمبئی کے راستے میں تھا۔ ظاہر ہے کہ خود ان لوگوں کو اس کا کتنا صدمہ ہوا ہوگا مگر یہ تقدیر ربانی نہیں ڈاک کے عملے کی ستم رانی بھی ہو تو اس میں بھی دوسرے بشر کا کیا بس ہے؟

نہیں سے میں نے اس خط کا جواب بھی روانہ کر دیا جس میں اب مکہ معظمہ کا متوقع پتہ لکھ دیا ہے۔

اس خط سے ضمناً گھر کی اور خصوصیت کے ساتھ میاں علی محمد سلمہٗ کی بھی خیریت معلوم ہو گئی جس پر شکر خدا ادا کیا۔

maablib.org

روانگی و احرام کی تیاری

۲۸؍ شوال ——— ۶؍ مئی ——— روز جمعہ

آج یہاں پہنچے ہوئے گیارھواں دن تھا اور روانگی کا ارادہ ہو گیا تھا۔ اس کے لیے ایک ضروری امر یہ تھا کہ پاسپورٹ پر خرچیہ درج ہو جائے چنانچہ دو دن قبل معلم صاحب نے ہم سب کے پاسپورٹ لے لیے اور انھیں بھیج کر خرچیہ درج کرایا۔ آج وہ پاسپورٹ واپس آگئے اور ہم سب کو مل گئے۔

دوسرا خاص امر یہ تھا کہ اب مدینے سے جارہے ہیں مکہ معظمہ تو حدود حرم میں داخلہ کے لیے احرام کی ضرورت ہے۔ شریعت اسلام میں ہر سمت سے آنے والوں کے لیے ایک ایک جگہ مقرر ہے جہاں سے آگے بڑھنا بغیر احرام کے جائز نہیں ہے۔ اس جگہ کو "میقات" کہتے ہیں۔

اگر ہم جدہ سے سیدھے مکہ معظمہ جاتے تو وہیں جدہ سے احرام باندھتے، مگر ہمیں تو پہلے مدینہ منورہ آنا تھا، اس لیے اب ہمیں اس طرف کا جو میقات ہے وہاں سے احرام باندھنا ہے چنانچہ اہل مدینہ کے لیے میقات ذوالحلیفہ ہے جو بیر علی کے نام سے مشہور رہا ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے صرف تین میل کے فاصلہ پر ہے اور مکہ معظمہ سے تمام میقاتوں میں سب سے زیادہ دور ہے۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس کو بیر علی کیوں کہتے ہیں؟ کیا علی سے مراد جناب امیر علیہ السلام ہیں اور حضرت سے خصوصیت رکھنے والا کوئی کنواں یہاں موجود تھا یا کوئی اور وجہ تسمیہ ہے۔

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ہمارے یہاں فقہ جعفری میں احرام قبل میقات جائز نہیں ہے۔ اس لیے احرام وہیں سے باندھا جائے گا اور اس کے لیے معلم صاحب ڈرائیور کو ہدایت کر دیں گے کہ وہ موٹر کو بیر علی پر ٹھہرا دے کہ مسافر احرام باندھ لیں مگر وہاں اتنا وقت تو ہو نہیں سکتا کہ غسل کیا جائے اور وہیں کپڑے بدل لیے جائیں اس لیے میں نے یہ طے کیا اور رفقاء کو بھی یہی رائے دی کہ

لہ گزشتہ ہجری تاریخوں کے لحاظ سے تو آج ۲۶ شوال ہوتی تھی مگر یہاں گزشتہ چاندوں کے فرق کی وجہ سے ہندوستان کی بہ نسبت دو دن کا فرق ہے اس لیے یہاں کے لحاظ سے آج ۲۸ شوال ہے۔

غسل کر لیا جائے اور احرام کے کپڑے یہیں سے پہن لیے جائیں کیونکہ احرام نام ان کپڑوں کے پہننے کا نہیں ہے، بلکہ نیت احرام کے ساتھ لبیک کے الفاظ زبان پر جاری کرنے کا ہے۔ یہ میقات پر ہوگا اور اس طرح احرام شروع وہاں سے ہوگا مگر صورت احرام لباس کے اعتبار سے یہیں ہو جائے گی چنانچہ سب نے اسی رائے سے اتفاق کیا۔

صبح کی زیارتوں سے واپس آکر دوپہر تک ہم لوگ نہا چکے تھے اور لباس احرام زیب جسم کر چکے تھے۔

یہ لباس احرام کیا ہے؟ ایک سفید چادر بطور لنگی کے نیچے والے جسم میں اور ایک سفید چادر بطور چادر کے اوپر کے حصّے جسم میں بمبئی سے ایک کریم اور چمڑے کی بنی ہوئی ہمیانی خرید لی تھی وہ ہمیانی لنگی کے اوپر سے کمر پر باندھ لی اس سے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اب کوئی اور کپڑا جسم پر نہیں ہے جس میں جیب ہو تو رقم کہاں رکھی جائے؟ اس کے لیے اس ہمیانی کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ سوا وقتی ضرورت کے بہت سے لوگوں کو جن میں، میں بھی ہوں لنگی باندھے رہنے کی عادت نہیں ہوتی، اس لیے تیز چلنے اور اٹھنے بیٹھنے میں لنگی کے کھل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے یہ ہمیانی کمر پر ٹیکے یا پٹی کا کام بھی کرتی ہے جس سے لنگی کے کھلنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔

خصوصی مہربانی یا مردم شناسی

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اسعد امر اللہ صاحب نے کرایہ مکان اور معلمی کے حق المحنت کے لیے کوئی گفتگو نہیں کی تھی بلکہ میں نے چھیڑا بھی تو انھوں نے کہدیا کہ اس کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے مگر عام معلمین کے رویہ اور عادت کے معلوم ہوتے ہوئے اور بہاء الدین صاحب کے یہاں کی صورت حال کو دیکھتے ہوئے مجھے ڈر لگا ہوا تھا کہ روانگی کے وقت کوئی پریشانی پیدا نہ ہو۔ بہر حال میں نے جو سن لیا تھا کہ یہاں معلم کی فیس چودہ ریال ہے اور پھر جو عبد الغفور صاحب کے یہاں دینے کا ارادہ کیا تھا، یعنی فی شب ایک ریال، اس لحاظ سے پچیس ریال کی رقم الگ کر کے رکھی کہ یہ میں ان کی خدمت میں پیش کروں گا اگر تقریباً یقین تھا کہ وہ اس پر مانیں گے نہیں اس لیے مدینہ منورہ آنے کے بعد سو روپیے کا نوٹ اور تبدیل کرا لیا تھا جس کے مجھے یہاں ایک سو سترہ ریال ملے تھے۔

اب روانگی کے ایک گھنٹہ پہلے اسعد امر اللہ صاحب تشریف لائے اور میرے پاس آ کر بیٹھے، معذرت کرنے لگے کہ آپ کو کچھ زحمت ہوئی ہو تو معاف کر دیجئے۔ میں نے ان کی محبت کا شکریہ ادا کیا اور کہا نہیں کوئی زحمت نہیں ہوئی اس کے بعد میں نے وہ ۲۵ ریال نکال کر ان کی خدمت میں پیش کئے عذر خواہی کے ساتھ کہ یہ

قلیل رقم آپ اس وقت قبول کریں، چونکہ میرا یہ پہلا سفر تھا، مصارف کا صحیح اندازہ نہ تھا اس لیے گنجائش کم ہے اس کا تدارک شاید آئندہ ہو سکے۔

پھر میں نے کہا کہ میں نے اگرچہ اپنے متعلق آپ کو کچھ نہیں بتایا ہے مگر ہندستان میں ایک طبقہ ہے جو میری بات کو صحیح سمجھ سکتا ہے اور میرے تاثرات کا اثر لے سکتا ہے۔ میں دوسرے لوگوں کو رائے دوں گا کہ وہ آپ کے یہاں قیام کریں۔ اس کے علاوہ خیال ہے کہ انشاءاللہ اس کے بعد جب توفیق الٰہی شامل ہو تو متعلقین کے ساتھ یہ شرف حاصل کیا جائے اس وقت انشاءاللہ کچھ زیادہ خدمت کر سکوں گا۔ انھوں نے ہاتھ بڑھا کر یہ ریال لے لیے تقریباً دیکھے بھی نہیں اور ایسے خوش ہوئے جیسے کہ ان کو ہزاروں مل گئے اور کہنے لگے، آپ کچھ بتائیں یا نہ بتائیں میرے دل میں آپ کی قدر و منزلت کا احساس ہے اور میرے لیے آپ کی دعا کافی ہے، وغیرہ وغیرہ یہ کہہ کے وہ میرے پاس سے اٹھ گئے اور مجھ پر ان کی سیر چشمی اور قناعت کا بڑا اثر ہوا۔ اس کے بعد وہ خوجے صاحبان کے کمرے میں گئے اور وہاں ان کو کافی دیر ہوئی تو مجھے اشتیاق پیدا ہوا کہ جا کر دیکھوں، وہاں کیا ہو رہا ہے؟

جا کر دیکھا تو یہ دیکھا کہ ہمارے اسعد صاحب تیوریوں پر بل ڈالے ہوئے تنے بیٹھے ہیں۔ ایک سو ریال کے نوٹ ان کے سامنے پڑے

ہوئے ہیں اور ہاتھ نہیں لگاتے۔ کہہ رہے ہیں کہ دو سو ریال تو فقط کمرے کا کرایہ ہوا اس سے کم کو تو میں چھوڑونگا نہیں یہ بیچارے بھی وہی سب کہہ رہے ہیں کہ ہم جا کر اپنے دوسرے ہم قوموں سے کہیں گے کہ وہ آپ ہی کے یہاں قیام کریں، وہ فرماتے ہیں۔ جی نہیں آپ ہرگز جا کر نہ کہیے۔ آنے والے آئیں تو معقول پیسے دیں اور نہیں تو نہ آئیں مجھے ان کے آنے کا کوئی اشتیاق نہیں ہے۔ آخر باندرے والے ہمارے دوست قاسم علی بھائی نے پچاس ریال اور نکال کر دیے مگر ان پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ ان کی بے رخی بلکہ ناراضگی قائم رہی تو پھر تھوڑی دیر کے بعد پچاس ریال کا اور اضافہ کیا گیا اب دو سو ریال ہو گئے تو انھوں نے اس طرح اٹھائے جیسے بڑا احسان کر رہے ہیں اب بھی نہ چہرہ پر کوئی بشاشت تھی نہ لبوں پر مسکراہٹ اور نہ زبان پر حرف شکریہ کا تو ذکر ہی کیا اسی ناراضگی کے انداز میں اٹھ کر چلے گئے تو مجھے اب قدر ہوئی کہ وہ میرے ساتھ جو عمل تھا خصوصی مہربانی اور عنایت کا نتیجہ تھا اور مردم شناسی بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ پہلی ہی نظر میں آدمی کو دیکھ کر یہ طے کر لیتے ہیں کہ اس سے کتنا وصول کرنا چاہیے اور ویسا ہی اس کے ساتھ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

روانگی ہم لوگ تو دوپہر کے بعد ہی تیار بیٹھے تھے معلم صاحب کا حساب چکایا جا چکا تھا ملازمین کو انعامات بھی

دے دیے۔ یہ ملازمین بھی مجھ سے محبت کرتے تھے ان میں سے ایک شریف یمنی بچہ تھا اسے میں نے ایک ریال دیا۔ ایک دوسرا ملازم تھا جو عبدالغفور صاحب کے مکان سے بطور حمال میرا سامان بھی لایا تھا اور اس دن حمالی کچھ نہ لی تھی اسے میں نے دو ریال دیے۔ خوجوں سے ان لوگوں نے بھی زیادہ وصول کرنا چاہا مگر انھوں نے ان کو دو دو تین تین ریال سے زیادہ نہیں دیے۔ عصر کے وقت معلم صاحب کے وہی نمائندہ جنھوں نے پہلے دن زیارتیں پڑھائی تھیں، آئے اور ہم لوگوں کو وداعی زیارت کے لیے لے گئے اور تمام زیارتیں اور وداعی دعائیں پڑھائیں۔ یہ سب کوئی ماثور تو ہیں نہیں لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں مگر ان کے معانی درست ہیں اس لیے پڑھنے میں مضائقہ کیا ہے۔

لاری حرم کے دروازے پر قریب ہی کھڑی تھی اور مسافر اس پر آ چکے تھے جو سب کے سب تقریباً ملایا کے تھے ان کو لینے کے لیے مکہ معظمہ سے ایک معلم کا آدمی آیا ہوا تھا جو انھیں اپنے ساتھ لیے جا رہا تھا۔ ہندوستان کے فقط ہم چھ ہی آدمی تھے جو بس کی سب سے آخری سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے، تقریباً ۱۰ بجے یعنی غروب میں سادو گھنٹے باقی ہوں گے کہ لاری روانہ ہوئی۔

آغاز مناسک حج یعنی احرام

مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ابھی دن باقی ہی تھا کہ ذوالحلیفہ یعنی مقام بیر علی پر پہونچ گئے جہاں سے احرام باندھنا تھا وہ تو اس سے کافی پہلے پہونچ جاتے مگر اپنے مستقر سے چل کر ناکے تک کئی جگہ موٹر رکی اور تھوڑی تھوڑی دیر رکی رہی اس طرح کوئی سوا گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں یہاں تک آئے۔ کپڑے تو ہم لوگ احرام کے پہنے ہی ہوئے تھے یہاں اتر کے مسجد ذرا دور پر تھی اور ڈرائیور کو جلدی تھی اس لیے ایک قہوہ خانے میں جو سر راہ تھا ٹھہر گئے۔ یہاں باہر چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ٹین کے لوٹے پانی سے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ ایک ایک لوٹا ہم میں سے ہر ایک نے بقیمت لیا اور وضو کیا پھر ان ہی چٹائیوں پر کھڑے ہو گئے۔ میں نے ساتھیوں کو نیت وغیرہ بتائی اور ہر ایک نے دو رکعت نماز احرام کی پڑھی یہ نماز واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

حکم یہ ہے کہ یا تو احرام کسی نماز فریضہ کے بعد باندھے اس صورت میں علیحدہ سے کسی نماز کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر نماز فریضہ پڑھی جا چکی ہے یا اس کا وقت نہیں ہے تو اب احرام کے لیے سنت ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ لے۔ اس کے بعد نیت احرام کرے۔

احرام باندھتا ہوں میں عمرہ تمتع کا حجۃ الاسلام کے لیے واجب قربۃً الی اللہ۔ مثل تمام نیتوں

احرام کی نیت

کے یہاں بھی ان الفاظ کے زبان پر جاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان باتوں کا دل میں قصد ہونا چاہیے۔

نیت کے ساتھ کہے: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکُ لَاشَرِیْکَ لَکَ ٥ یہ الفاظ احرام کے لیے مثل نماز کی تکبیرۃ الاحرام کے ہیں کہ اب اس کے بعد سے پھر پابندیاں احرام کی عائد ہو گئیں اور تمام باتیں جو اس صورت میں ممنوع ہیں حرام ہو گئیں۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

حج تمتّع کی بحث

کسٹم والے افسر سے گفتگو میں اس بحث کی طرف اجمالی اشارا آچکا ہے۔ اب یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر سیر حاصل تبصرہ کر دیا جائے۔

صورت حال یہ ہے کہ باجماع امت اسلامیہ حج کی تین قسمیں ہیں۔ حج افراد، حج قران، اور حج تمتع۔ جیسا کہ علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں۔

اعلم ان لاداء النسکین وجوھا ثلثه الافراد والتمتع والقران فالافراد ان یحج ثم بعد الفراغ منه یعتمر من ادنی الحل او یعتمر قبل اشھر الحج ثم یحج فی تلک السنة والقران ان یحرم بالحج والعمرة معا فی اشھر الحج بان ینوھما بتلبیه معا وکذالک لو احرم بالعمرة فی اشھر الحج ثم قبل الطواف دخل الحج علیھا یصیر قارنا والتمتع

هو ان یحرم بالعمرۃ من میقات بلدہ فی اشھر الحج و یاتی باعما لھا ثم یحج فی ھذہ السنۃ من مکہ ۔ یعنی حج افراد میں صرف حج کا احرام باندھا جاتا ہے اور عمرہ پھر کبھی علیحدہ بجالایا جاتا ہے اور قرآن میں عمرہ و حج دونوں کا احرام ایک ساتھ ہوتا ہے اور تمتع میں پہلے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے اور اس کے اعمال بجالانے کے بعد احرام ختم ہو جاتا ہے اور وہ باتیں جو حالت احرام میں ناجائز تھیں سب حلال ہو جاتی ہیں، سوا شکار وغیرہ کے جن میں ظرف مکان یعنی حرم کا احترام سد راہ ہے۔ اس کے بعد پھر ۸ ذی الحج کو حج کا احرام باندھا جاتا ہے اور وقوف عرفات، قیام مشعر اور پھر منیٰ آکر قربانی وغیرہ کے اعمال بجالاتے ہیں۔

اس تیسری قسم کو حج تمتع کیوں کہتے ہیں۔ علامہ نیشاپوری ہی کی لفظوں میں سنیے۔ سمی تمتعا لاستمتاعہ بمحظورات الاحرام بینھما بعد التحلل من العمرۃ و قبل الاحرام بالحج (یعنی اس کو حج تمتع اس لیے کہتے ہیں کہ انسان عمرہ کے احرام کو ختم کرنے کے بعد اور حج کا احرام باندھنے کے پہلے ان تمام چیزوں سے متمتع یعنی بہرہ اندوز ہوتا ہے جو حالت احرام میں حرام ہوتی ہیں۔

علامہ بغوی نے بھی تفسیر معالم التنزیل میں ان تینوں قسم کے حجوں کی یہی صورت لکھی ہے اور حج تمتع کی وجہ تسمیہ بھی اس طرح لکھی ہے فمعنی التمتع ھو الاستمتاع بعد الخروج من العمرۃ بما کان محظورا

علیہ فی الاحرام الیٰ احرامہ بالحج ۔

بے شک قرآن و افراد کا جو فرق لکھا گیا ہے وہ ہمارے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ شیخ الطائفہ نے مبسوط میں تحریر فرمایا ہے لایختلف حکمھا فی شیئ من مناسک الحج وانما یتمیز المقارن لسیاق الھدیٰ فقط ہمارے یہاں ان کے افعال میں کوئی فرق نہیں ہے سوا اس کے کہ قرآن میں قربانی کے جانور بھی ساتھ ہوتے ہیں اور افراد میں نہیں ہوتے۔ مگر حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام درست نہیں ہے کیونکہ احرام تو حج یا عمرہ کے لیے بالکل وہ حیثیت رکھتا ہے جو تکبیرۃ الاحرام نماز کے لیے۔ جس طرح ایک تکبیرۃ الاحرام سے دو قسم کی نمازیں ایک ساتھ ادا نہیں ہو سکتیں اسی طرح ایک احرام سے دو مختلف عمل ادا نہیں ہو سکتے۔

اس اختلاف کو بہت صاف طور پر جناب محقق صاحب شرائع نے اپنی دوسری کتاب معتبر میں درج فرمایا ہے واما القرآن فھو ان یضم الیٰ احرامہ سیاق الھدیٰ ولا فرق بینہ وبین المفرد الا فی سیاق الھدیٰ واطبق الجمھور علیٰ خلافہ وقالوا القرآن ھو ان یحرم بعمرۃ وحج معا (یعنی) قرآن یہ ہے کہ انسان اپنے احرام کے ساتھ قربانی کے جانور بھی ساتھ لائے اور اس میں اور حج افراد کے بجا لانے والے میں صرف یہی قربانی کے ساتھ لانے نہ لانے کا فرق ہے۔ مگر جمہور یعنی سواد اعظم کے علماء اس کے خلاف متفق ہیں

وہ کہتے ہیں قِران یہ ہے کہ حج اور عمرہ کا احترام ایک ساتھ باندھا جائے۔

فقہ اسلامی میں جس کی اصلی شکل فقہ جعفری کی شکل میں ہم تک پہنچی ہے۔ حج قِران یا افراد ان کے لیے ہے جو مکہ معظمہ کے حدود کے باشندے ہوں جس کی حد ہر طرف سے بارہ میل ہے اور جو اس سے خارج ہوں یعنی دور سے آئیں ان کے لیے قِران و افراد جائز نہیں ہے بلکہ حج تمتع معین ہے۔

فقہائے شیعہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے تتبع میں اس پر متفق ہیں جیسا کہ محقق حلی نجم الدین ابو القاسم جعفر بن سعید رحمۃ اللہ معتبر میں تحریر فرماتے ہیں۔ التمتع فرض من لیس من حاضری المسجد الحرام لایجزیہ غیرہ مع الاختیار وھو مذھب علمائنا المشھور عن اھل البیتؑ۔

ہاں اضطراری شکل کی بات اور ہے جیسا کہ شرائع الاسلام میں ہے ویجوز مع الاضطرار۔

قرآن مجید میں مناسک حج کی تفصیل بیان کرنے والی جو آیت ہے اس سے بھی صاف یہی سمجھ میں آتا ہے۔ چنانچہ یہی ارشاد ہوتا ہے: واتموا الحج والعمرۃ للہ فان احصرتم فما استیسر من الھدی ولاتحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا رجعتم تلک عشرۃ کاملۃ ذالک

لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ شدید العقاب ہ

اس میں حج تمتع کی مشروعیت اس فقرہ سے صراحتہً ثابت ہے کہ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج ہ جو عمرہ بجالا کر حج تک تمتع حاصل کر رہا ہو یعنی احرام عمرہ کو کھول کر ان چیزوں سے بہرہ اندوز ہو جو حالت احرام میں ممنوع تھیں۔ اسی قرآنی لفظ کی بنا پر اس قسم کے حج کا نام حج تمتع ہو گیا ہے۔ اور پھر تصریح کر دی گئی کہ ذالک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام یہ حکم اس کے لیے ہے جو مسجد حرام کا باشندہ نہ ہو اس حاضر یعنی باشندۂ مکہ کی حد ہمارے احادیث میں بتائی گئی ہے کہ وہ اطراف و جوانب میں بارہ میل تک ہے اب جو ان احادیث کو بھی نہ مانے اسے "حاضر" اور "غیر حاضر" کے حدود میں اختلاف کی گنجائش ہے مگر اصل میں اس حکم میں کہ حج تمتع غیر باشندۂ مکہ سے مخصوص ہے کسی اختلاف کی گنجائش تو نہیں ہے۔ چنانچہ جو حج تمتع کو واجب نہیں سمجھتے انھیں بھی اس کے صحیح و جائز ہونے سے انکار نہیں ہے۔ ہاں افضلیت میں وہ باہم مختلف ہیں جیسا کہ علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں:-

لاخلاف بین ائمۃ الامۃ فی جواز ھذہ الوجوہ وانما الخلاف فی الافضلیۃ۔ ان تینوں صورتوں کے جواز کے متعلق علمائے امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ افضلیت میں ہے اسی طرح محی السنۃ البغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے ــــ

اتفقت الامۃ علیٰ انہ یجوز اداء الحج والعمرۃ علیٰ ثلثۃ اوجہ الافراد والتمتع والقرآن ۔

افضلیت کے بارے میں جو پریشان خیالی ہے اسے جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے انتصار میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ابوحنیفہ اور زفر کے نزدیک قرآن سب سے افضل ہے۔ پھر افراد اور پھر تمتع کا درجہ ہے۔ ابویوسف اور ابن حی تمتع اور قرآن کو ایک درجہ میں رکھتے ہیں۔ ثوری فرماتے ہیں کہ ان اقسام حج میں ایک کو دوسرے سے افضل کہنا مجھے ناپسند ہے۔ مالک اور اوزاعی کا ارشاد ہے کہ افراد افضل ہے۔ شافعی کے اپنی دو کتابوں میں دو مختلف قول ہیں، کہیں کہا ہے کہ افراد افضل ہے۔ اور کہیں یہ کہ تمتع افضل ہے۔ احمد بن حنبل اور اصحاب حدیث کا بھی یہی قول ہے کہ تمتع افضل ہے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں: ھو قول احمد بن حنبل واسحٰق بن راھویہ۔ علامہ نیشاپوری نے امام مالک کا قول یہی لکھا ہے کہ حج تمتع افضل ہے اور ابویوسف اور امام محمد کا قول یہ لکھا ہے کہ قرآن کے بعد تمتع کی افضلیت ہے اور پھر افراد کی۔ اس سے سمجھ ذرا لینے کے لیے استدلال کا ایک خاص پہلو سامنے آجاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حج کا فریضہ تو اجتماع شرائط کی حالت میں ایک مسلمان کے ذمہ ہے ہی اور یہ ذمہ داری غیر یقینی طور پر ثابت ہے۔ اس ذمہ داری سے عہدہ برآمد ہونا بھی یقینی صورت سے ہونا چاہیئے۔ اب فقہائے امت کے اقوال کو سامنے رکھیے تو

پتہ چلتا ہے کہ حج تمتع کا صحیح اور کافی ہونا تو سب ہی کے نزدیک مسلم ہے اور اس لیئے یقینی ہے مگر غیر باشندہ مکہ کے لیے حج افراد یا قرآن کافی ہونا مشکوک ہے جس میں فرق اسلامیہ کے علماء میں اختلاف ہے لہذا برائت ذمہ حاصل کرنے کے لیے عقلاً لازم ہے کہ باہر سے آنے والا حج تمتع انجام دے تاکہ برائت ذمہ میں کسی طرح بھی دغدغہ باقی نہ رہے۔

اب کوئی غیر جانبدار شخص اس صورت حال پر نظر کرے کہ سواد اعظم جس نے اہل بیتؑ کو مرکز شریعت نہیں مانا، وہ اس درجہ انتشار میں مبتلا ہے کہ ائمہ اربعہ میں باہم اختلاف، امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں میں اختلاف۔ ایک ہی امام کے خود مختلف قول اس کے برخلاف فقہائے شیعہ جنھوں نے اہل بیت طاہرین علیہم السلام کو مرجع احکام تسلیم کیا وہ خلفا عن سلف اس پر متفق کہ قرآن وافراد اس کے لیے ہیں جو مکہ معظمہ کا باشندہ ہو اور تمتع اس کے لئے معین ہے کہ جو مکہ معظمہ سے باہر ہو تو صاف سمجھ میں آئے گا کہ پہلے لوگ سب لاعلمی کی تاریکی میں تیر چلا رہے ہیں اور دوسرا طبقہ علم کی روشنی میں راستہ طے کر رہا ہے، اس لیے ان میں باہم حدود و نشانات منزل میں عموماً اختلاف نہیں پایا جاتا

یہ وہ ایک درا ین موازنہ ہے جسے علمی ذوق رکھنے والا اگر جستجو سے کام لے تو اسے وضو کے مسح یا غسلِ رجلین کی بحث میں نماز

کے قیام میں ہاتھ کھولنے اور باندھنے کی بحث میں، جلسہ واحدہ میں تین طلاقوں کی بحث میں جہر بسم اللہ فی موارد کی بحث میں اور طہارت سے لے کر دیات تک تقریباً تمام اختلافی موارد میں ایسا ہی نظر آئے گا۔ اور اس سے ایک بے ہوش دماغ شریعت کے اصلی ماخذوں کے متعلق بصیرت محسوس کر سکتا ہے بشرطیکہ سمجھنے کی کوشش کرے اور جو سمجھ میں آئے اسے ماننے اور مان کر پھر اس کے اظہار کی ہمت رکھتا ہو۔

ہمارے معتبر احادیث بتاتی ہیں کہ جناب رسالتمآب نے حجۃ الوداع میں تمام مسلمانوں کو حج تمتع کا حکم دیا۔ اس کی تفصیلی کیفیت معاویہ بن عمارؒ نے امام جعفر صادقؑ کی زبانی نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت نے مسجد شجرہ سے جو مقام ذی الحلیفہ میں ہے احرام باندھا۔ جب آپ سعی فرما چکے تو کوہ مردہ پر کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں ذیل میں کہا کہ جبریل امین میرے پاس موجود ہیں اور مجھے اللہ کا یہ حکم پہنچا رہے ہیں کہ جو اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہیں لائے ہیں وہ اب اپنے احرام کھول دیں۔ مجمع میں سے ایک بزرگوار نے کہا کہ سبحان اللہ ہم احرام کھول دیں جس کے بعد عورتوں سے مقاربت بھی روا ہو جائے اور پھر اس کے بعد غسل کا پانی سر دل سے ٹپک رہا ہو کہ ہم حج کے لیے نکلیں (مطلب یہ تھا کہ یہ کچھ نہ بیا صورت نہیں ہے) حضرت نے (غصہ کے انداز میں) فرمایا کہ تم تو اس پر کبھی ایمان لاؤ ہی گے نہیں۔ اس محل پر سراقہ بن مالک بن حشم کنانی کھڑے

ہو گئے اور کہا یا رسول اللہ! یہ حکم اسی سال کے لیے یا آئندہ بھی رہے گا حضرت نے فرمایا ھو للابد الی یوم القیامۃ "ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک یہی حکم برقرار رہے گا۔" پھر آپ نے اپنی انگلیوں کا جال بنا کر فرمایا کہ دخلت العمرۃ فی الحج الی یوم القیامۃ "عمرہ حج میں ایک جز کی حیثیت سے داخل ہو گیا ہے قیامت تک کے لئے" اسکے بعد روز ترویہ (۸ ذی الحج کو) زوال آفتاب کے وقت آپ نے حکم دیا کہ سب غسل کریں اور حج کا احرام باندھیں اور اب تمام مسلمان حج کا احرام باندھ کر نکلے اور منیٰ گئے (اس کے بعد باقی افعال حج کی تفصیل بیان کی گئی ہے)

اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ امین الاسلام علامہ طبرسیؒ نے تفسیر مجمع البیان میں درج فرمایا ہے۔

اس کے اکثر اجزا، احادیث اہل سنت میں بھی موجود ہیں، بلکہ احادیث اہل سنت میں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمل بھی مذکور ہے کہ آپ بھی حجۃ الوداع میں حج تمتع ہی بجالائے تھے۔ جیسا کہ علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں حج تمتع کی افضلیت کے ثبوت میں سند متصل کے ساتھ لکھا ہے۔

عن ابن عمر قال تمتع رسول اللہ فی حجۃ الوداع بالعمرۃ الی الحج و اھدی فساق معہ الھدی من ذی الحلیفۃ وبدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاھل بالعمرۃ ثم اھل بالحج فتمتع الناس مع النبی بالعمرۃ الی الحج (الخ)

اس سے ظاہر ہے کہ خود جناب رسالت مآبؐ نے بھی حج تمتع فرمایا تھا اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی حج تمتع ہی کیا تھا۔

دوسری روایت جناب ام المومنین عائشہ کی زبانی ہے، وہ بھی اسی کے مطابق ہے۔

نیز سعد بن ابی وقاص کا قول بھی مذکور ہے کہ صنعھا رسول اللہؐ وصنعنا ھا معہ (یعنی) پیغمبرؐ نے بھی حج تمتع فرمایا تھا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ حج تمتع ہی کیا تھا۔

جناب عبد اللہ بن عمر کی یہ روایت السنن الکبریٰ البیھقی (ج ۵ ص) میں بھی مذکور ہے۔

دوسرے راویوں نے بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا تذکرہ کیا ہے جو بعد میں آئے گا۔

اور صحابہ کا عمل اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ان کو حج تمتع پر مامور فرمانا تو صحاح ستہ میں بھی متعدد احادیث میں ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو صحیح بخاری کو اٹھا کر دیکھیے۔

جلد اول صفحہ ۱۷۴ (مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر) میں ایک باب کا عنوان ہے۔ باب التمتع والقرآن والافراد بالحج۔ اس میں ایک حدیث ام المومنین عائشہ کی ہے کہ خرجنا مع النبیؐ ولا نری الا انہ الحج فلما قد منا تطوفنا بالبیت فامر النبی من لم یکن ساق الھدی ان یحل فحل من لم یکن ساق الھدی ونساؤہ لم یسقن فاحللن (یعنی) ہم لوگ رسولؐ

کے ساتھ نکلے اور ہم لوگوں کا خیال تھا کہ بس حج کرنا ہوگا مگر جب مکہ معظمہ پہنچے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا تو رسالت مآب نے ان تمام لوگوں کو جو اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہیں لائے تھے یہ حکم دیا کہ احرام کو ختم کر دیں اور ازواج رسولؐ کے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہ تھے لہٰذا انھوں نے بھی احرام کھول دیا۔"

دوسری ابن عباس کی حدیث ہے جس سے حج تمتع کی اس مخالفت کا جو بعض حضرات نے کی پس منظر معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ہے کہ یہ زمانۂ جاہلیت کا تصور تھا کہ زمانۂ حج میں عمرہ بہت بڑا گناہ ہے اور یہ اس جاہلی ذہنیت کا اثر تھا کہ جب رسولؐ نے حکم دیا کہ اس احرام کو عمرہ قرار دے کر کھول دیا جائے تو تعاظم ذالک عندھم "صحابہ کو یہ بڑا امر عظیم معلوم ہوا" فقالوا یا رسول اللہ ای الحل قال حل کلہ "انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ کس حد تک احرام کھولا جائے؟ آپ نے فرمایا بالکل کھول دیا جائے (بخاری ج ۱ ص ۱۷۵)

اسے حافظ بیہقی نے اپنی کتاب "السنن الکبریٰ" میں بھی درج کیا ہے (جلد ۴ مطبوعہ حیدرآباد ص ۳۴۵)

بخاری میں پھر ایک عنوان ہے "باب التمتع" اس میں عمران بن حصین صحابی کی حدیث ہے تمتعنا علیٰ عھد رسول اللہؐ فنزل القرآن ثم قال رجل برایہ ماشاء

ہم نے پیغمبر خداؐ کے عہد میں حج تمتع انجام دیا اور قرآن مجید کی

ہدایت اس بارے میں نازل ہوئی اس کے بعد ایک شخص نے اپنی ذاتی رائے سے جو چاہے کہدیا ہے"

یہ ذاتی رائے کس کی تھی اور کیا ہے اس کا تذکرہ بعد میں آئیگا۔

پھر عنوان ہے: باب قول اللہ تعالیٰ ذالک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام" اس میں عکرمہ کی روایت ہے جناب عبد اللہ بن عباس سے عکرمہ نے آپ سے متعۃ الحج کے بارے میں دریافت کیا جس کے جواب میں آپ نے تفصیل سے جناب رسالت مآب کے زمانہ کے عملدرآمد کا تذکرہ کیا اور کہا کہ رسالت مآبؐ نے فرمایا ھذہ عمرۃ استمتعنا بھا" یہ عمرہ ہے جس سے ہم نے تمتع کیا ہے"

دوسری روایت میں ہے کہ عکرمہ نے ابن عباس سے متعۃ الحج کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ مہاجرین و انصار اور ازواج رسولؐ سب نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا۔ جب ہم لوگ مکۂ معظمہ میں آئے تو رسالت مآب نے فرمایا۔ اجعلوا اھلالکم بالحج عمرۃ "تم اپنے اس احرام کو عمرہ کا قرار دے لو۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم لوگوں نے عمرہ کو ختم کر دیا۔ احرام کھول کر عورتوں سے تعلقات قائم کیے اور عام کپڑے پہن لیے۔

اس کے بعد جب روز ترویہ کی شام ہوئی تو حج کا احرام باندھا

صحیح مسلم کی حدیث میں جسے بیہقی نے بھی السنن الکبریٰ (ج ۵ ص ۱۸) میں درج کیا ہے۔ یہ فقرہ موجود ہے کہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا

هذہ عمرۃ استمتعنا ھا اور اس کے بعد فرمایا فقد دخلت العمرۃ فی الحج الی یوم القیامۃ اس طرح رسالتمآبؐ نے تصریح فرمادی کہ یہ حج تمتع کا قانون قیامت تک برقرار رہے گا۔

سنن ابی داؤد (مطبع اصح المطابع لکھنؤ صفحہ ۱۷۹) میں جابر بن عبداللہ کی حدیث میں ہے۔ ثم قام سرقۃ بن مالک فقال یا رسول اللہ ارأیت متعتنا ھذہ لعامنا ھذا ام للابد فقال رسول اللہؐ بل ھی للابد (یعنی) جب رسول اللہؐ نے اعمال عمرہ کے بعد اصحاب کو احرام کے ختم کرنے کا حکم دیا تو سراقہ بن مالک کھڑے ہو گئے۔ کہا یا رسول اللہ یہ تمتع کا حکم ہمیں اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے واسطے؟۔

رسالتمآبؐ نے فرمایا "ہمیشہ کے واسطے ہے"۔

اب قرآن اور حدیث کے اس فیصلہ کے بعد چاہئیے تو یہ تھا کہ کسی وقت بھی مسلمانوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہ ہوتا مگر مسئلہ کی اس متفقہ حیثیت کو اس وقت دھکا لگا جب خلیفۂ دوم عمر بن الخطاب نے اپنے دور میں متعۃ الحج کی ممانعت کر دی اور ان کے بعد خلیفۂ سوم عثمان نے اس سے اختلاف میں اور شدت پیدا کی اور پھر چونکہ جناب امیرؑ اس حکم قرآنی کی حمایت فرماتے تھے اس لیے آپ کی ضد اور کد میں امیر شام معاویہ نے اپنے دور میں اسکے ممنوع قرار دینے میں پوری طاقت صرف کر دی۔

یہاں ان فرقہ وارانہ اختلافات سے قطع نظر کرتے ہوئے جو

مسئلہ خلافت سے تعلق رکھتے ہیں علمی طور پر یہ اصولی بات سامنے آتی ہے کہ کتاب وسنت کے مقابلہ میں کسی بھی صحابی کا فیصلہ معتبر نہیں ہو سکتا یہی اصولی جواب حضرت امام جعفر صادق نے دیا جسے آپ نے خود ابو بصیر سے بیان فرمایا کہ ان رهطا من اهل البصرة سألوني عن الحج فاخبرتهم بما صنع رسول الله صلعم وما امر به فقالوا ان عمر قد افرد للحج فقلت ان هذا رأي رآه عمر وليس رأي عمر كما صنع رسول الله (المعتبر ص ۴۷۲) (یعنی کچھ لوگوں نے اہل بصرہ میں سے مجھ سے حج کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے وہی طریقہ بتایا جس طرح رسالتمآب نے حج کیا تھا اور صحابہ کرام کو حکم دیا تھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت عمر نے تو حج کو عمرہ سے الگ کر دیا ہے۔ میں نے کہا یہ تو ان کی ایک ذاتی رائے تھی اور ان کی رائے عمل رسول کی ہم پلہ تو نہیں ہو سکتی!

یہ تو ہمارے امام معصوم کے الفاظ ہیں جنھوں نے اتنی سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ اس رائے پر تبصرہ فرمایا ہے، کتب اہل سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابہ نے اسی اصولی اعتراض کو زیادہ صراحت کے ساتھ اور سخت انداز میں کہا۔

یہاں تک کہ خلیفہ زادہ جناب عبد اللہ بن عمر نے پہلے تو اپنے والد بزرگوار کے اعلان ممانعت کی تاویل کرنا چاہی کہ اس سے ان کا مقصود حج تمتع نہ تھا مگر جب لوگوں نے زیادہ پریشان کیا کہ نہیں، آپ کے والد یقیناً اس کے خلاف تھے تو انھوں نے جھلا کر کہا کہ

اَفکتاب اللہ عزوجل احق ان یتبع ام عمر "قرآن اتباع کا زیادہ مستحق ہے یا عمر؟ (سنن کبریٰ ج ۵ صفحہ ۲۱)

حافظ محمد بن عیسیٰ ترمذی نے اپنے استاد سے روایت کی ہے کہ اہل شام میں سے ایک شخص نے عبد اللہ بن عمر سے تمتع بالعمرۃ الی الحج کے بارے میں دریافت کیا انھوں نے کہا ھی حلال، شامی نے کہا ان اباک قد نھی عنھا، آپ کے والد نے اس سے ممانعت کی ہے انھوں نے کہا ارأیت ان کان ابی قد نھی عنھا وصنعھا رسول اللہ امر ابی یتبع ام امر رسول اللہ تمھارا کیا خیال ہے اگر میرے باپ نے اس سے منع کیا ہو اور رسول اللہ نے اسے انجام دیا ہو تو میرے باپ کا فرمان واجب العمل ہے۔ یا رسول اللہ کا ارشاد! "

وہ قائل ہوگیا اور اس نے کہا بل امر رسول اللہ ترمذی نے اسے درج کر کے لکھا ہے ھٰذا حدیث حسن صحیح (سنن ترمذی ص ۱۶۷)

دوسرے صحابہ بھی نرم وگرم الفاظ میں یہی جواب دیتے تھے سنن ابن ماجہ میں باب التمتع بالعمرۃ الی الحج میں پہلے تو سراقہ بن جشم کی روایت ہے کہ حضرت پیغمبر خداؐ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا الا ان العمرۃ قد دخلت فی الحج الی یوم القیامۃ " عمرہ قیامت تک کے لئے حج کا لازمی جزء ہوگیا ہے"

پھر عمران بن حصین کی حدیث ہے کہ انھوں نے پیغمبر خداؐ کے عمل کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا قال فی ذلک بعد رجل برأیہ ما یشاء ان یقول اس کے بعد ایک آدمی نے اس بارے میں اپنی رائے سے جو چاہے وہ کہہ دیا۔"

علامہ سندی (محمد بن عبد الہادی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ) نے حاشیہ میں لکھا ہے۔ تعرض لعمر فی بیان انہ لا عبرۃ بنہیہ "اس میں خلیفہ دوم عمر پر تعریض ہے اور اس کا بیان ہے کہ ان کی ممانعت کا کوئی اعتبار نہیں ہے (حاشیہ ابن ماجہ ط مصر ج ۲ ص ۱۱۹)

ابن ماجہ نے تو یہاں تک درج کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری خود زمانۂ خلیفۂ دوم میں حلیت متعہ کا فتویٰ دیتے رہے اور اس بارے میں پیغمبر خدا اور صحابۂ رسول کے عمل کا تذکرہ کرتے تھے تو اس بارے میں خود حضرت عمر سے پوچھا گیا انھوں نے کہا۔ قد علمت ان رسول اللہ فعلہ و اصحابہ ولکنی کرھت ان یظلوا معرسین بھن تحت الاراک ثم یروحون بالحج تقطر رؤسھم مجھے خود یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ اور آپ کے اصحاب نے ایسا کیا ہے مگر مجھے یہ ناپسند ہوا کہ لوگ بیوی سے مقاربت کریں پھر غسل کر کے فوراً حج کو روانہ ہوں اس طرح کہ سروں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں (ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۱۹)

اس سے ظاہر ہے کہ موصوف نے بھی اس کی مشروعیت اور پیغمبر خدا نیز صحابہ کے عمل کا انکار نہیں کیا مگر حسب عادت انھوں نے اس بارے میں اپنے ذوق کو حکم بنایا یہ ظاہر ہے کہ احکام الٰہی کے سامنے انسانی ذوق کچھ بھی نہیں ہے۔

یہ اعتراض حضرت علی نے خلیفہ سوم کے منہ پر کیا جب انھوں نے اپنے دور میں متعۃ النساء کی مخالفت کی، ملاحظہ ہو صحیح بخاری (ج ۱ ص ۱۵۴)

سعید بن مسیبؒ کی روایت ہے اختلف علیؑ وعثمان وھما بعسفان فی المتعہ فقال علی ما ترید الی ان تنھیٰ عن امر فعلہ النبیؐ۔

حضرت علی اور عثمان کے درمیان جب وہ مقام عسفان میں تھے حج تمتع کے بارے میں اختلاف ہوا تو حضرت علی نے کہا، اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ایسی چیز سے روکتے ہو جسے حضرت رسولؐ خود عمل میں لائے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے جناب امیرؑ کے اس اختلاف ہی کی ضد میں امیر شام معاویہ کو اپنے دور میں حج تمتع کے انسداد کی بڑی کوشش رہی اور اب ان کے مقابلہ میں صحابہ کرام کا لب ولہجہ بھی زیادہ تند ہو گیا۔ کیونکہ ان کا علمی و دینی وقار صحابہ کی نظر میں اتنا نہ تھا جتنا بہت سے افراد کی نظر میں پہلے اصحاب کا تھا۔

حالانکہ انھوں نے اپنے اقتدار کے دباؤ سے اصحاب رسول کو اپنا ہم نوا بھی بنانا چاہا مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی جیسا کہ ابو داؤد میں ہے۔ (صفحہ ۱۸۰) ان معاویۃ بن ابی سفیان قال لاصحاب النبیؐ ھل تعلمون ان رسول اللہ۔ نھی عن کذا وکذا ورکوب جلود النمور قالوا نعم قال فتعلمون انہ نھی ان یقرن بین الحج والعمرۃ فقالوا اما ھذا فلا فقال اما انھا معھن ولکنکم نسیتم۔ معاویہ نے اصحاب رسولؐ سے کہا تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہؐ نے ان ان باتوں سے منع کیا ہے اور چیتے کے چمڑے پر سوار ہونے سے ان سب نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔ انھوں نے کہا تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسالتمآب نے حج کے ساتھ عمرہ کے بجالانے سے بھی منع کیا؟ انھوں نے

کہا نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ اب انھوں نے ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ اچھا تم لوگوں کو یاد نہیں ہے یہ بھی ان ہی چیزوں میں سے ہے۔"

ان کے موالی ہوالی بھی اس کی تبلیغ کرتے رہتے تھے مگر ان کو منہ کی کھانا پڑتی تھی مثلاً جیسا کہ بیہقی نے السنن الکبریٰ کے (ج ۵ ص ۱۷) میں لکھا ہے۔ جس سال معاویہ نے خانہ کعبہ کا حج کیا ہے تو ضحاک بن قیس فہری سے جو معاویہ کا خاص آدمی تھا اور سعد بن ابی وقاص میں حج تمتع کے بارے میں گفتگو ہوئی تو ضحاک نے کہا لا یصنع ذلک الا من جھل امر اللہ یعنی کوئی خدا شناس تو ایسا نہیں کرے گا۔ سعد نے کہا بئس ما قلت یا ابن اخی "بھتیجے تم نے بہت بری بات کہی ہے۔ ضحاک نے کہا فان عمر بن الخطاب کان ینھی عنھا خلیفہ دوم تو اس سے منع کرتے تھے۔ سعد نے کہا قد صنعھا رسول اللہ و صنعناہ (یعنی وہ منع کیا کریں)

پیغمبر خدا نے خود اسے انجام دیا اور ہم آپ کے ساتھ اسے عمل میں لائے۔ صحیح ترمذی میں بھی اس حدیث کو درج کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے ھذا حدیث صحیح (سنن ترمذی صفحہ ۱۰۶)

صحابہ کا لب و لہجہ اس کے خلاف کتنا سخت تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ انہی سعد بن ابی وقاص کے سامنے ایک دفعہ اور معاویہ کی مخالفت کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا قد فعلناھا وھذا یومئذ کافر بالعرش ہم نے اس پر عمل کیا ہے جب یہ شخص ابھی حلقہ کفر میں تھا۔

بیہقی لکھتے ہیں "رواہ مسلم فی الصحیح" پھر کہا ہے "اراد سعد بن ابی وقاص بما قال معاویۃ بن ابی سفیان" "سعد کی مراد اس شخص سے معاویہ بن ابی سفیان ہے۔"

دوسری روایت میں ہے۔ "قد فعلتھا مع رسول اللہ وھذا یومئذ کافر العرش" یہاں بھی مؤلف کتاب نے نوٹ دیا ہے کہ یعنی یہ معاویہ تھا

بہرحال خلیفہ دوم نے متعۃ الحج کو بھی اسی طرح اپنی ذاتی رائے سے ممنوع کیا تھا جس طرح نکاح متعہ کو مگر نکاح میں جمہور امت کے اندر ان کی بات چل گئی ایسی کہ متعہ کو عام مسلمانوں نے معاذ اللہ زنا کاری کا مرادف قرار دے لیا۔ اور حج تمتع میں بس اس حد تک ان کی رائے سے متاثر ہوئے کہ اسے معین طریقہ پر واجب کہنے سے گریز کیا مگر اس کی مشروعیت کا انکار نہیں کیا بلکہ آج تک دور دراز کے جتنے مسلمان جاتے ہیں خواہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں وہ حج تمتع ہی بجا لاتے ہیں اس لیے کہ اگر کسی دوسری قسم کا احرام باندھیں تو اس وقت سے لے کر حج کے اختتام تک برابر احرام کی پابندیاں عائد ہیں جو ناقابل برداشت ہیں لہٰذا اس منزل پر انھوں نے اپنے خلیفۂ محترم کے ارشاد کو بھاری پتھر سمجھ کر چوم چاٹ کے چھوڑ دیا ہے اور اس کی عملی پابندی ضروری نہیں سمجھی۔

اگرچہ نتیجتہً یہ اصولی چیز ہو گئی کہ جب متعۃ النساء اور متعۃ الحج کو انھوں نے ایک ہی صورت سے منع کیا تھا تو ایک جگہ کیوں

ان کی ممانعت کو نہی شرعی کا درجہ دے دیا گیا اور دوسری جگہ کیوں نہیں دیا گیا۔ اصولاً جس طرح متعۃ الحج کا ان کی ممانعت کے باوجود جواز شرعی مسلم ہے اسی طرح نکاح متعہ کا بھی جواز مسلم ہونا چاہیئے۔ یہی بات تھی جو میں نے کسٹم والے افسر سے گفتگو میں متعہ کی بات آنے پر حج تمتع والے مسلمانوں کے عمل کا حوالہ دیا تھا جسے وہ بے چارہ نہ سمجھ سکا۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار بر صغیر
maablib.org

احرام کی پابندیاں

عمرہ تمتع کی نیت سے احرام باندھا گیا۔ احرام کی لفظ یہ ویسی ہی ہے جیسے نماز کی افتتاحی تکبیر کو تکبیرۃ الاحرام کہا جاتا ہے۔

تکبیرۃ الاحرام کا کیا مطلب ہے؟ یہ کہ اب کلام وغیرہ بہت سی باتیں حرام ہو گئیں۔ اسی طرح نیت کے ساتھ لبیک والے الفاظ کہنے کے بعد بہت سی پابندیاں انسان پر عائد ہو جاتی ہیں یہ پابندیاں حسب ذیل ہیں۔

(۱) سیا ہوا کپڑا پہننا ناجائز ہے۔ اس لیے احرام کے لیے تہ بند باندھنا پڑتی ہے اور اوپر ایک چادر اور بس۔ اگر کوئی شخص اوپر کے جسم پر کچھ نہ پہنے جب بھی جائز ہے اور اگر سردی وغیرہ کی وجہ سے بہت سی چادریں اوپر ڈال لیجئے تو بھی جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

احرام کے جو دو کپڑے ہوتے ہیں ان دو کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بس ستر لازم ہے اور پابندی یہ ہے کہ لباس سلا ہوا کوئی نہ پہنا جائے۔

بعض حجاج اپنے ساتھ جائے احرام کے نام سے بہت سی چلیّین لے جاتے ہیں یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ اگر نیچے اوپر کے حصہ جسم پر دو کپڑے بھی پہنے جائیں جیسا کہ عموماً ہم لوگ پہنتے ہیں تب بھی موجودہ موٹر والے دور میں جبکہ صرف دو دن اور تین دن احرام باندھنے کی ضرورت ہوتی ہے بس چھ گز کی دو چادروں میں بھی کام نکل سکتا ہے۔ اور بہت نے جیسا کہ میں نے کیا تھا تو بارہ گز کی چار چادریں لے جائے۔ اس خیال سے کہ پہلی دو اتفاق سے نجس ہو جائے تو دوسری باندھ لیں یا عمرہ والی چادروں کو پھر حج کے احرام میں استعمال کرے بلکہ اس احرام میں کوری چادریں استعمال کرے مگر ایسا ضروری نہیں ہے۔

(۳) شکار کرنا اور شکار کا گوشت کھانا۔ مگر دریائی شکار بنص قرآن مجید جائز ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے احل لکم صید البحر و طعامہ متاعا لکم و للسیارۃ و حرم علیکم صید البر ما دمتم حرما۔ اس میں دونوں حکم یعنی خشکی کے شکار کو حرام اور دریا کے شکار کا حلال ہونا بصراحت مذکور ہیں۔

چنانچہ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر راستے میں نصف شب کے بعد ایک ہوٹل میں ٹھہر کر جو کھانا ملا وہ بھنی ہوئی مچھلی اور روٹی تھی۔

مگر انسانی ذہن کے نہ جانے کتنے طبقے ہیں کہ اگر انسان غور کرے تو بعض وقت اندر ہی اندر وہ اپنے معلومات ہی میں کتنے ہچکولے کھاتا ہوا گزرتا ہے جہاں اس کا ذہن خود ہی ٹھوکر کھاتا ہے اور پھر خود ہی اپنے کو سنبھالتا ہے۔ ان رازوں کو تشریح الابدان والے چاہے طب قدیم والے ہوں اور چاہے طب جدید والے کہاں سمجھ سکتے ہیں چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ وہ مچھلی میں نے بلا دغدغہ کھائی اور پھر ایک دم جیسے میں سناٹے میں ہو گیا کہ مچھلی شکار میں داخل ہے۔ یہ میں نے کہا اور پھر اندر ہی اندر کسی نے وہ برّ و بحر والی تفریق یاد دلائی اور یہ آیت قرآن نے سنادی جس سے فوراً اطمینان ہو گیا۔

(۳) عورت سے تعلق رکھنے والی کسی قسم کی بھی لذت اندوزی چاہے وہ نفسانی خواہش سے فقط نظر کرنا ہی ہو۔

(۴) عقد کرنا، عقد پڑھنا، گواہ عقد ہونا یا عورت کی خواستگاری کرنا۔

(۵) بالارادہ جُنب ہونا

(۶) خوشبو کا سونگھنا، وہ کسی قسم کی بھی خوشبو ہو، چنانچہ میرا منجن ذرا خوشبو دار تھا مجھے اس سے پرہیز کرنے کی ضرورت پڑی۔

(۷) ہر طرح کا سرمہ لگانا خصوصاً سیاہ بقصد زینت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ میں بطور دوا اگر سرمہ لگانے کی ضرورت ہو یا بعض لوگ عموماً رات کو سرمہ لگا کر سوتے ہیں آنکھ کے فائدہ کے لیے

تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بہرحال اس حکم سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے اس لیے کہ میں نے اپنے ہوش میں کبھی آنکھ میں کسی قسم کا سرمہ یا کاجل نہیں لگایا ہے۔ جس طرح عمر میں آج تک کبھی کوئی تیل سر میں نہیں لگایا۔ حالانکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دماغی کام کرنے والوں کے لیے یہ بہت ضروری چیز ہے ورنہ درد سر وغیرہ پیدا ہو جانا ضروری ہے، مگر بحمد اللہ مجھے اس کی کبھی ضرورت نہیں ہوئی اور نہ اب تک مجھے اس ضرورت کا ابھی یا آئندہ جب تک منظور خدا ہو کوئی احساس ہے۔

(۸) آئینہ دیکھنا۔ اسے بعض علماء حرام اور بعض مکروہ کہتے ہیں مجھے عموماً آئینہ دیکھنے کی عادت نہیں ہے پھر بھی آئینہ چونکہ سفر کے سامان میں بھی ساتھ رہتا ہے، اس لیے ذرا اس کا خیال رکھنے کی ضرورت ہوئی۔

(۹) موزہ پہننا یا کوئی ایسی چیز جو پشت پا کو چھپالے۔ چونکہ سلیپر بھی کافی حصہ پشت پا کا چھپ جاتا ہے اس لیے مدینہ منورہ میں مجھ کو بھی چپل خریدنے کی ضرورت ہوئی جو بالکل نعل عربی کی ترقی یافتہ شکل ہے حالانکہ میرے لیے اس کا مصرف صرف چار پانچ دن یعنی احرام کے زمانہ میں رہے گا۔ پھر میرے لیے بیکار ہو جائے گی۔ یہ یہاں پانچ ریال یعنی تقریباً چار روپیہ کی ملی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہندوستان میں دس بارہ روپیہ سے کم کو نہ ملے گی۔

(۱۰) جدال (یعنی) لا واللہ بلی واللہ کہہ کہہ کر قسمیں کھانا۔ جھوٹی قسم تو کبھی بھی انسان کے لیے جائز نہیں ہے مگر حالت احرام میں سچی قسمیں بھی نہیں کھانا چاہئیں۔ مجھے الحمد اللہ یوں بھی اپنی گفتگو میں قسمیں

کھانے کی عادت نہیں ہے۔ اب کچھ زیادہ پرہیز نہیں۔

(۱۱) کپڑوں یا جسم میں جوئیں وغیرہ ہوں تو انھیں مارنا بلکہ ان کو جگہ سے ہٹانا، یہ بھی حالت احرام میں حرام ہے۔

بلاشبہ یہ حکم بہت سخت تھا مگر اصل میں یہ حکم انہی اوقات کے لئے تھا جبکہ راستے طولانی اور دیر طلب تھے، اس لیے احرام کے کپڑے بہت بہت دن پہنا رہنے پڑتے تھے، یا اب بھی بہت غریب اور پست طبقہ کے افراد جیسے حبشی وغیرہ یا ہندوستان کے بھی بنگالی یا نہایت مفلوک الحال دیہاتی جن کی موسم حج میں مکہ معظمہ میں بڑی کثرت نظر آتی ہے اور ان کے کپڑے انتہائی کثیف ہوتے ہیں۔ ورنہ عموماً اب احرامی کپڑے صرف چار پانچ دن پہنے جاتے ہیں اور غسل کے بعد احرام باندھا جاتا ہے تو جوؤں وغیرہ کا سوال ہی کیا ہے۔ بے شک مچھروں کا مسئلہ اب بھی ہے۔ وہ بھی منیٰ عرفات میں تو نہیں مچھروں سے سابقہ پڑا بلکہ مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں مچھر ضرور نظر آئے۔ اور انھوں نے پریشان بھی کیا مگر وہاں احرام تھا نہیں۔

(۱۲) انگوٹھی پہننا بقصد زینت۔ آخری قید سے ظاہر ہے کہ اگر صرف بلحاظ استحباب یا اظہار تشیع کے لیے جبکہ مقام تقیہ نہ ہو انگوٹھی پہنی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اسی لیے جناب تاج العلماء طاب ثراہ نے اپنے رسالہ حجۃ الاسلام،، میں لکھا ہے کہ:

،، میں نے ایسی ہی مصلحتوں سے اپنی انگشتری در نجف اپنے داہنے

ہاتھ سے احرام میں نہیں اتاری اس لیے کہ مجھے قرآن و آثار سے علم حاصل تھا کہ مجھے ضرر نہ پہنچا سکیں گے، فضل خدا سے اور مجھ پر تقیہ واجب نہیں" مگر میں نے اس خیال سے کہ انگوٹھی پہننے میں عموماً (خواہ اپنے نفس کی کمزوری سے) کچھ نہ کچھ تو خیال زینت ہوتا ہی ہے اسی لیے عقیق اور جو بھی ثواب والے نگینے ہوں، انھیں بھی پہنتے ہیں تو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جو خوش رنگ ہوں بے داغ ہوں۔ پُرآب و تاب ہوں لہذا اور میں نے احتیاط اسی میں سمجھی کہ انگوٹھی اتار دوں چنانچہ انگوٹھی اتار کر رکھ دی۔

(۱۳) تیل ملنا اگرچہ خوشبودار نہ ہو، جیسا کہ پنجابی حضرات کو عموماً جسم میں تیل ملنے کی عادت ہوتی ہے مگر ہم یوپی والے تو عموماً جسم میں تیل ملتے نہیں ہیں نے تو جیسا کہ سابق میں بیان ہوا سر میں بھی کبھی تیل نہیں لگایا نہ کبھی بھی لگانے کا ارادہ ہے

(۱۴) بال کا اپنے سر یا کسی حصہ جسم سے گرانا اس کے لیے کنگھے سے احتیاط کی ضرورت ہے۔ چونکہ میں کنگھا کرنے کا بالوں میں زیادہ عادی نہیں ہوں اس لیے مجھے اس میں کوئی دقت تو نہیں ہے مگر خیال رکھنا حالی ضروری ہے۔

(۱۵) سر کا ڈھکنا کسی چیز سے بھی

یہ حکم میرے لیے خاص طور پر امتحانی تھا اس لیے کہ میں تو گھر کے اندر بھی بلکہ تنہائی میں بھی عموماً سر برہنہ نہیں رہتا ٹوپی پہنے رہتا ہوں اور مجھے اس حکم کی تعمیل کے لیے ضرورت ہوئی کہ ٹوپی کو غائب

maablib.org

ہی کر دوں یعنی اسباب میں اتنی دور پر رکھ دوں کہ حالتِ احرام میں
وہ ہاتھ میں آئے ہی نہیں۔

(۱۶) حالتِ سفر میں سر پر کسی سایہ کا کرنا یعنی چھتری وغیرہ لگانا یا ایسی سواری پہ بیٹھنا جس میں چھت ہو۔ چونکہ اس کے پہلے کا حکم یعنی سر کے ڈھانکنے کا حرام ہونا مسلمانوں میں متفق علیہ ہے مگر یہ سر پر سایہ ہونے کی حرمت فقہِ جعفری سے مختص ہے۔

اہل سنت اس کے قائل نہیں ہیں، اس لیے اس حکم کے بنا پر ہم لوگوں کو دقت ہو گئی ہے، مکہ معظمہ میں عرفات وغیرہ جانے کے لیے تو چونکہ سب حجاج اکٹھا ہوتے ہیں اس لیے شیعہ معلمین خصوصیت کے ساتھ شیعہ حجاج کے لیے کھلی ہوئی لاریوں کا انتظام کر لیتے ہیں مگر مدینہ منورہ کی کوئی تاریخ معین نہیں ہے لہٰذا مدینہ سے مکہ معظمہ جانے میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ دو چار شیعہ حاجی ہیں اور بیس پچیس سنی حجاج ہیں۔ ایک ہی بس میں یہ لوگ روانہ کر دیے جاتے ہیں تو اب تین چار کے لیے خصوصیت کے ساتھ کھلی ہوئی لاری کا انتظام کون کرے لہٰذا سب کو ایک ہی لاری میں بیٹھنا ہوتا ہے لہٰذا ہم لوگوں کو مکہ معظمہ میں جا کر حکم احرام کی اس ناگزیر خلاف ورزی یعنی سایہ دار سواری میں سفر کرنے کا کفارہ دینا ہوتا ہے ایک گوسفند کی قربانی کے ساتھ۔

(۱۷) جسم کو کھجا کے یا دانت مانجھ کے خون نکالنا۔

(۱۸) ناخون کاٹنا۔

maablib.org

(۱۹) دانت اکھاڑنا اگرچہ خون نہ نکلے۔

(۲۰) ہتھیار لگانا بلکہ ساتھ رکھنا بھی۔

یہ سب محرماتِ احرام کہلاتے ہیں یعنی ان امور کا ترک کرنا حالتِ احرام میں ضروری ہے۔

اس کے علاوہ خصوصیت حرم کے لحاظ سے جو پابندی ہے وہ تو احرام کھولنے کے بعد بھی قائم رہے گی کہ وہاں کا درخت کاٹنا یا گھاس نوچنا ممنوع ہے۔ اس لیے ہم نے اس کو محرماتِ احرام میں نہیں ذکر کیا، کیوں کہ یہ احکامِ حرم میں سے ہے نہ احکامِ احرام سے۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار بر صغیر
maablib.org

راہِ مکہ

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا جو سابق راستا تھا اس کا اب پتہ نہیں اور اسی لیے منزل غدیر خم اب ہمارے راستے میں نہیں پڑتی۔ اب سے چالیس پچاس برس قبل تک بھی جو راستا تھا اب غالباً متروک ہو گیا ہے۔ ہاں ایک منزل رابغ کا نام پہلے حاجیوں سے بھی سنا ہے اور وہ اب بھی راستے میں واقع ہوئی۔

اب جو سڑک بنی ہے اور جس پر موٹریں چلتی ہیں وہ مدینۂ منورہ سے جدہ تک اور جدہ سے پھر مکہ معظمہ جانا پڑتا ہے۔ بغیر جدہ آئے ہوئے براہِ راست مدینہ سے مکہ معظمہ کا راستا اب نہیں ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی شخص غدیر خم کے لیے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ سے جانا چاہے تو اس کے پہونچنے کا کوئی امکان ہے یا نہیں۔

افسوس ہے کہ جمہورِ امت نے آثارِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو بری طرح فراموش کیا۔

نماز بن غائب

حجاز میں عام طور پر نماز کا جتنا زور شور ہے اس سے یہ تصور ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہاں کا موٹر ڈرائیور اوقات نماز میں موٹر کے روکنے میں تامل کریگا جبکہ عراق اور ایران میں جہاں کہ عام نگاہوں میں اتنی پابندی نماز کی نہیں ہے، ہمارا مشاہدہ ہے کہ ڈرائیور اوقاتِ نماز میں کہیں قیام ضرور کر لیتے ہیں، اسی بنا پر یہاں جب جدہ سے ہم مدینہ منورہ جا رہے تھے تو ایسا ہوا کہ راستے میں کسی منزل پر دو ایک آدمیوں نے آواز بلند کی کہ نماز کا وقت آگیا ہے تو ہمارے ساتھ کے پشاوری صاحب حاجی صاحب نے کہا کہ تمہیں اس کے لیے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اسے تم سے زیادہ اوقاتِ نماز کا خیال ہے، اس پر ہم بھی خاموش رہے کہ واقعتاً ایسا ہی ہوگا مگر اب مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جو روانہ ہوئے تو اب اس پر صرف ہم چھ آدمی ایک ہیں اور پانچ خوجے صاحبان شیعہ تھے اور باقی سب سوادِ اعظم سے متعلق افراد تھے اور سب کے سب احرام باندھے ہوئے بارادۂ حج۔

مدینہ سے عصر کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ شام کے قریب مسجد ذوالحلیفہ یعنی بیر علی پر پہونچے جہاں احرام باندھا تھا۔ یقین تھا کہ اب مغرب تک تو یہیں قیام رہے گا مگر جونہی سب نے دو دو رکعت نماز

(یہیں)

پڑھی اور احرام کی نیت باندھی یعنی تلبیہ کہا اور بس ذرا وقفہ کے بعد ڈرائیور نے یا اللہ یا اللہ کا شور مچا دیا یعنی روانگی کا اعلان کر دیا چنانچہ سب روانہ ہو گئے۔ اب یقین تھا کہ تھوڑی دیر بعد کسی ہوٹل پر مغرب کے لیے قیام ہو گا، مگر اب جو موٹر یہاں سے چلی تو تھوڑی دیر میں سورج ڈوبا اور اس کے بعد تاریکی چھا گئی۔ میں نے اپنے شیعہ ساتھیوں سے کہا کہ ان سب کی نمازیں تو گئیں ہاں ہماری نماز میں بہت وسعت ہے اس کے بعد موٹر چلی اور بڑھی یہاں تک کہ عشا کا وقت آیا اور گزرنے لگا۔

راستے میں جو چائے خانہ اور ہوٹل آتا ہے فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ اس ہوٹل میں قیام ہو گا مگر ڈرائیور اسے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے نوبت یہ آئی کہ ثلث شب سے زیادہ گزر گیا اور میں نے کہا کہ لیجئے اب تو ہماری نماز بھی خطرے میں ہے۔ مسافروں میں سے کچھ نے چند دفعہ آواز بلند کی تو وہ سمجھا نہیں میں نے عربی میں پکار کر کئی دفعہ کہا تو چونکہ میں تقریباً سب سے پیچھے کی لائن میں تھا اس لیے اس نے سنا نہیں۔

نصف شب کے قریب ڈرائیور نے نماز کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی ضرورت سے یعنی پیشاب کرنے کے لئے ایک چائے خانہ کے سامنے ذرا سا توقف کیا تو میں نے اتر کر جلدی سے اس چائے خانہ سے پانی لے کر وضو کیا اور وہیں سے چٹائی لے کر تین رکعت مغرب اور دو رکعت عشا بغیر تعقیبات تعقیبات کے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ باقی کسی نے نماز نہیں پڑھی اور پھر روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ مغرب اور عشا دونوں کا وقت گزر گیا اور اب

جاکر موٹر نے ایک ہوٹل میں سکون اختیار کیا اور مسافر اترے تو ڈرائیور نے بڑے فخریہ انداز میں کہا کہ آدھے سے زیادہ راستہ طے ہو گیا ہے مگر اس کا اسے کوئی احساس نہ تھا کہ جتنے حجاج ہیں اور فریضۂ حج کے لیے جا رہے ہیں ان کی فرض نمازیں ترک ہو گئیں۔

لبیک کے بجائے صدائے سرود

احرام باندھنے کے وقت لبیک کے الفاظ کا کہنا تو فریضہ ہے کہ بغیر اس کے احرام شروع ہی نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب روانہ ہوں تو حکم یہ ہے کہ برابر لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک کے الفاظ بلند آواز سے وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہیں اور خصوصیت کے ساتھ جب بلندی پر چڑھنا یا کسی نشیب میں اترنا ہو تو ان الفاظ کو ہر حاجی بلند آواز سے کہے۔ چنانچہ جہاز پر جب حاجیوں نے احرام باندھ لیا تھا تو اس کے بعد برابر تلبیہ کی ایک گونج سنائی دیتی تھی، اس سے ایک بڑی روحانی فضا بن جاتی ہے جس سے ہر فرد کو بارگاہِ الٰہی میں حاضری کا تصور قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے مگر یہاں بیر علی سے احرام باندھنے کے بعد موٹر جونہی روانہ ہوا موٹر ڈرائیور اور اس کے ساتھ کے دو آدمیوں نے چیخ چیخ کر گانا شروع کر دیا جو مسلسل نصف شب کے بعد یعنی اس ہوٹل میں پہونچنے تک جاری رہا۔ اس سے طبیعت راستے بھر بدخطر رہی۔ مجبوراً بس اور میرے پاس کے بمبئی والے حاجی وقتاً فوقتاً

آہستہ آہستہ تلبیہ کہتے رہے۔ کبھی پورا اور کبھی لبیک یا ذالمعارج۔ لبیک یا ذالمعارج باقی سب خاموش اور بجائے تلبیہ کے فضا ان شیطانی نغموں سے معمور رہی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

جدہ اور پھر مکہ معظمہ

اس ہوٹل میں تقریباً ایک گھنٹہ قیام ہوا۔ یہیں کھانا کھایا گیا۔ روٹی کے ساتھ بھنی ہوئی مچھلی کے کھانے، میرے تردد اور پھر اطمینان کا حال جو پہلے لکھا جا چکا ہے، وہ اسی ہوٹل سے تعلق رکھتا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد پھر سب سوار ہوئے اور روانہ ہوئے اور اب نماز صبح کے وقت جدہ کے حدود میں پہنچ گئے اور وہاں صبح کی نماز ہوئی اس کے بعد شہر جدہ میں داخل ہو گئے۔ چونکہ یہ موٹر یہیں کا تھا۔ یہ کوئی محمد علی المغربی ہیں کوئی کمپنی یا کوئی آدمی ان کے سیکڑوں موٹر اور ٹرک چل رہے ہیں جہازوں پر سے سامان اور مسافروں کے لانے لے جانے اور جدہ سے مکہ اور مدینہ لے جانے والے چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے موٹر انہی کے ہیں۔ اکا دکا موٹر ایسے نظر آتے ہیں جن پر کوئی دوسرا نام ہے ورنہ عموماً ہر موٹر پر انہی کا نام ہوتا ہے۔ غالباً حکومت کی طرف سے باقاعدہ ٹھیکہ ان کا ہے۔ اس کے علاوہ جدہ میں ان کا موٹروں اور موٹروں کے اجزاء کے فروخت کا مرکز بھی بہت بڑا ہے۔ ان کا رہائشی مکان اور دفتر بھی مدینۃ الحجاج کے قریب ہے اس لیے موٹر نے کوئی ایک گھنٹہ یہاں قیام کیا اس کے بعد پھر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اب دھوپ چڑھ گئی تھی اور ڈرائیور کا بیان تھا کہ

۴ گھنٹے بعد طلوع آفتاب یعنی ہمارے ہندستانی تقریباً دس بجے کے بعد پھر گورنمنٹ کی طرف سے عصر کے بعد تک موٹروں کا چلانا ممنوع رہتا ہے اس لیے اگر اس وقت کے اندر مکہ معظمہ میں داخل نہ ہو جائیں تو پھر پورا دن کہیں راستے میں گزارنا پڑے گا اور شام کو مکہ پہنچنا ہوگا اسی لیے اس نے اتنی جلدی کی مگر یہ جلدی کس کام کی جس کی بدولت حجاج کی فرض نمازوں کا خون ہو گیا جس کی کم از کم حجاز میں تو بالکل توقع نہ تھی۔

مکہ معظمہ میں ورود

اور محلّ اقامت

طلوع آفتاب کے چار گھنٹے بعد جبکہ تمازت آفتاب کافی شدت اختیار کر چکی تھی ہم لوگ مکہ معظمہ پہونچے ؛ داخل ہوتے ہی یہاں شہریت کے آثار بہت نمایاں نظر آئے امریکن ڈیزائن کی کوٹھیاں دور دور دیکھائی دیں جس طرح منصوری وغیرہ میں پہاڑ کے مختلف طبقوں پر عمارتیں ہیں، ویسی ہی مکہ معظمہ کی آبادی ہے کہ شہر پہاڑ کے اوپر بنا ہوا ہے۔

چونکہ خوجے حضرات سید محمد علی صحرہ کے یہاں قیام کرنے والے تھے اور میرا ان لوگوں کا ساتھ ہو گیا تھا اس لیے میں نے بھی یہیں قیام کیا۔

سید محمد علی کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب ان کے بھائی سید احمد صحرہ ہیں جو معلمی کا کام کرتے ہیں ان کے خاندان کے ایک اور معلم عبداللہ صحرہ ہیں جن کے مکانات بھی ان کے قریب ہیں اور ان میں شاید باہمی سمجھوتہ یہ ہے کہ ایرانی حجاج سید احمد کے یہاں ٹھہریں اور ہندوستانی و پاکستانی عبداللہ کے یہاں مگر ہمارے بمبئی والے ساتھیوں نے سید احمد ہی کا نام سن رکھا تھا اسی لیے ان کا نام لیا اور اطلاع ہونے پر وہی آئے اور موٹر سے اتار کر ہم لوگوں کو اپنے یہاں لے گئے۔

مکہ معظمہ میں جائے قیام کے لئے مجھے بڑی فکر تھی۔ اس لیے کہ دس پانچ آدمیوں کا قافلہ ہو تو انھیں آسان ہے کہ وہ ہزار بارہ سو روپیے کے دو ایک کمرے لے لیں اور یہ بار بحصہ رسدی تمام افراد قافلہ پر تقسیم ہو جائے مگر جو اپنی مادرِ وطن کا اکلوتا بیٹا ہو کر آیا ہو یعنی اس کے شہر کا کوئی قافلہ نہ ہو وہ کیا کرے؟ اس کے لیے تو بڑی دشواری ہے میرے لیے یہی صورت تھی۔

یہ قدرت کا انتظام تھا کہ مدینہ منورہ میں ان خوجے صاحبان کا ساتھ ہو گیا اور انھیں مجھ سے انسیت ہو گئی۔

دوسری جماعت بلتستانی حضرات کی تھی کہ ان کی بھی بہت خواہش

تھا کہ میں جائے قیام میں ان کے ساتھ شریک ہوں کہ انھیں مسائل
حج کی واقفیت میں آسانی ہوگی۔ مگر وہ ہمارے مدینہ سے روانگی
کے دو تین دن قبل ہی پہونچے تھے۔ ابھی ان کو ہفتہ
عشرہ مدینہ منورہ میں رہنا تھا وہ تو یہاں تک تیار
تھے کہ پانچ چھ سو ریال میرے حوالے کر دیں کہ میں اپنی
پسند سے ان کے لیے جائے قیام فراہم کر لوں اور جب
تک وہ لوگ پہنچیں میں اس میں قیام کروں اور پھر وہ
اس میں آکر فروکش ہوں۔

مگر میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ میں اتنی رقم
خطیر ان سے بغیر کسی سابق جان پہچان کے وصول
کر لوں۔

میں نے کہا کہ کم از کم ایک آدمی بھی آپ میں سے میرے
ساتھ ہوں تو میں ان کی رائے سے جگہ منتخب کر لوں گا۔
اور کرایہ دے کر محفوظ کر آؤں گا مگر ان میں سے کوئی بھی
آنے [redacted] کے لیے تیار نہیں ہوا۔

ایک خیال یہ تھا کہ شاید معلم کے یہاں کوئی چھوٹا کمرہ
بھی ہو۔ ورنہ دو تین سو ریال میں مل جائے۔ اسے میں لے لوں۔ غرض
میرے ذہن میں یہ ایک مستقل مسئلہ بنا ہوا تھا۔

معلم کے مکان پر پہونچے تو پہلے عارضی طور سے کوٹھے پر لے جا کے

ایک کمرے میں ہم سب کا سامان رکھ دیا گیا۔ اس میں قالینوں کا فرش تھا۔ دو طرف سڑک کی جانب دروازے تھے جس سے ہوا خوب آتی تھی اور اس کے علاوہ بجلی کا پنکھا چھت کا تھا اور بجلی کی روشنی تھی اس میں سردست سب لوگ ٹھہرے اور خیال یہ تھا کہ خوجہ صاحبان تو سب یکجا رہیں گے جیسا کہ اب تک یکجا رہے ہیں۔ صرف میں ہی رہ جاؤں گا جس کے علاحدہ قیام کا سوال پیدا ہوگا، مگر یہاں ٹھہرنے کے بعد بمبئی والے خوجے صاحب کمروں کے دیکھنے اور پسند کرنے کے لیے مکان میں کہ جو چار منزلہ تھا معلم کے ایک آدمی کے ساتھ گردش کرنے کے لیے گئے۔ اور کرایہ پوچھا تو معلم صاحب نے بتایا کہ ہر کمرے کا کرایہ پانچ سو ریال ہے۔ اس سے کم کا کمرہ کوئی نہیں ہے۔ یہ سن کر تو بالکل ہی میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی مگر وہاں صورت حال یہ تھی کہ ان خوجے صاحبان میں اتنے عرصے کے ساتھ میں اندرونی طور پر آپس میں کچھ ان بن ہو چکی تھی لہٰذا بمبئی والے بزرگ نے باندرے والے حاجی صاحب سے کہا کہ اب ہم لوگ ایک کمرے میں رہنا نہیں چاہتے لہٰذا اب ہم دو الگ الگ کمروں میں رہیں گے اور ہم تین آدمی ہیں۔ آپ دو آدمی ہیں لہٰذا مولوی صاحب کو آپ اپنے ساتھ شریک کر لیجیے اور ایک حصہ کرایہ کا ان سے لے لیجیے۔ انھوں نے کہا میں خوشی سے تیار ہوں اور مولوی صاحب سے میں کوئی کرایہ نہ لوں گا۔ اول الذکر نے کہا نہیں پورا بار اٹھانے کی

ضرورت نہیں ہے۔ یہ خود اس کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

انھوں نے کہا اچھا سوا سو ریال یہ دے دیں، میں نے شکریہ ادا کیا اور یہ طے ہوگیا۔ حالانکہ حساب سے تو میرے ذمہ پونے دو سو ریال کے قریب بڑتے تھے مگر انھوں نے یہ میرے ساتھ رعایت کی اور اس طرح یہ مشکل مرحلہ بآسانی طے ہوگیا۔ مجھے صرف سوا سو ریال دینا پڑے اور بجلی کی روشنی اور بجلی کے پنکھے وغیرہ سے سب کے برابر فائدہ اٹھایا اور ان کا برابر اصرار یہ رہتا تھا کہ کھانا میرے ساتھ کھائیے مگر یہ میں نے پہلے ہی دن شرط کرلی تھی کہ کھانے کے لیے مجھے مجبور نہ کیجیے گا چنانچہ کھانا میں الگ کھاتا رہا ہاں ہر ہفتہ عشرہ کے بعد ایک دن ایسا آجاتا تھا کہ موصوف پہلے سے کہہ دیں کہ کل آپ کو میرے ساتھ کھانا ہوگا۔ میں ابھی سے دعوت دیتا ہوں تو اس دن خصوصی طور پر کھانے میں بھی شرکت ہو جاتی تھی

غرض یہ خوجے صاحبان میرے لیے قدرت کی طرف کی ایک بہت بڑی نعمت ثابت ہوئے جن سے ہر طرح کی آسانیاں حاصل ہوئیں۔

maablib.org

داخلۂ مسجد اور طواف

سوچتے ہوئے بہ گئے تھے کہ جائے قیام پر پہونچ کر پہلا کام یہ کریں گے کہ مسجد الحرام جاکر طواف خانہ کعبہ وغیرہ اعمالِ عمرہ بجا لائیں، تاکہ یہ احرام کھولا جاسکے اور لباس کی تبدیلی جائز ہو مگر اسے کیا کیا جائے کہ یہ کام بغیر معلم صاحب یا ان کے کسی نمائندہ کے نہیں ہو سکتا اس لیے کہ کتنے ہی مسائل نوک زبانی حفظ ہوں پھر بھی مقامات بالکل نئے اور طریق عمل محتاج تعلیم انسان لفظوں سے سمجھ نہیں سکتا کہ کون عمل کہاں پر بجالائے اور کس طرح جب تک کوئی بتانے والا نہ ہو۔

عراق میں تو بزمانۂ طالب علمی یہ حکایت میرے گوش زد ہوئی کہ اکابر علماء میں سے کوئی بزرگ اس محل پر پہلے راوی نے تو سرکار میرزا کا نام لیا تھا یعنی آیۃ اللہ میرزا محمد حسن شیرازی

طاب ثراہ مگر دوسرے واقف کاروں نے سنا تو کہا کہ سرکار میرزا حج کو گئے ہی نہ تھے۔ بہرحال انہی کے ہم پلہ کوئی دوسرے عالم مثلاً الحاج شیخ زین العابدین مازندرانی وغیرہ کسی کا ذکر ہے کہ انھوں نے مناسک حج میں ایک رسالہ لکھا جس نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ لوگ کہتے تھے کہ ان بزرگوار نے اتنے سلجھے ہوئے طریقہ پر مسائل حج کو لکھ دیا ہے کہ انسان اس کتاب کو لے کر چلا جائے اور مناسک حج ادا کرے، کچھ عرصہ کے بعد خود یہ بزرگوار حج کے لیے وارد سرزمین مکہ ہوئے اور ایک معلم کو بلا کر کہا کہ مجھے حج کرا دو۔ اس نے کہا جناب اب کسی آدمی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ فلاں عالم صاحب کا رسالہ لے لیجئے تو خود مناسک حج انجام دے سکتے ہیں اب کیا کہتے ہیں کہ وہ عالم تو میں خود ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ تنہا کتاب کسی شعبۂ حیات میں رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہوتی غرض یہ کہ معلم کی احتیاج لازمی حیثیت رکھتی ہے۔ معلم صاحب نے کہا کہ اب اس وقت گرمی زیادہ ہے دھوپ تیز ہو گئی ہے سہ پہر کو ۹ بجے یعنی ہمارے یہاں کے حساب سے ۳ یا چار بجے لے کر چلیں گے۔ ہم لوگ مسجد آغا نہ داحرام میں بندھے ہوئے بے چینی کے ساتھ ۹ بجنے کے منتظر ہو گئے، ظہرین کی نماز بھی اس پر محول کیا کہ جب حرم جائیں گے تو وہیں نماز پڑھیں گے۔

دوپہر کو معلم صاحب نے ہم سب کی دعوت کی اور شام کے لیے

دعوت کا پیغام دے دیا اور کل صبح کے ناشتے کے لیے بھی۔ یہ اس لیے کہ اب آج ہم لوگ سامان آب و طعام کہاں سے کریں گے صبح کے بعد ذرا ہم اپنے ہو جائیں گے تو دوپہر سے انتظام کر لیں گے۔ کھانے کے بعد ادھر ادھر ایک ہی کمرے میں سب لیٹ گئے بطور قیلولہ نیند کسے آتی ہے ۹ بجے کی بجائے چلنے کے لیے تیار ہو گئے مگر وہاں دس بھی بج گئے اور معلم صاحب کا پتہ نہیں۔ بالآخر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ غروب میں باقی ہوگا کہ معلم صاحب کے مقرر کردہ ایک سید صاحب ہم لوگوں کو لے چلنے کے لیے آئے سب تیار تو تھے ہی۔ فوراً روانہ ہوئے۔ ہماری کتابیں تو نذر حکومت ہو چکی تھیں یہ داغ ہر موقع ضرورت پر تازہ ہو جاتا ہے۔ بمبئی والے خوجے صاحب کی ایک سن رسیدہ خاتون سے جو فارسی اور اردو پڑھی ہوئی تھیں، بمبئی کے عالم آقا شیخ محمد حسن نجفی مدظلہ کی کتاب "ارمغانِ اسلام" مل گئی تھی۔ یہ کتاب میں نے ہاتھ میں لے لی۔ حرم میں داخلہ باب السلام سے لکھا ہے۔ میں نے معلم سے کہا باب السلام کی طرف لے چلو۔

جب تک راستہ یاد نہیں ہوتا بڑا پیچیدہ معلوم ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس وقت ایسا ہی محسوس ہوا کہ ہماری منزل سے حرم تک کا راستہ ایسا پر پیچ و خم ہے کہ اس کا یاد ہونا بڑا مشکل ہے۔ غرض ایک سڑک ایک زینہ کے اتار۔ ایک کشادہ میدان، ایک کوچہ، ایک بازار، ایک پل اور پھر ایک زینہ سے اترتے ہوئے ایک مستطیل

احاطہ میں پہنچے، معلوم ہوا کہ یہ صفا اور مروہ کے درمیان والا حصہ ہے جس میں سعی ہوتی ہے، اسے عبور کر کے وہ دروازہ آگیا جسے باب السلام کہتے ہیں۔ یہاں داخلہ کے وقت معلم نے ایک دعا پڑھائی پھر اندر پہونچ کر ایک دعا تلقین کی۔ اس کے بعد نماز پڑھنے کو کہا۔

ہم نے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ظہرین نہیں پڑھی تھی اس لیے دو رکعت نماز تحیۂ مسجد کے بعد ظہرین کی پوری نمازیں پڑھیں کیونکہ ہم لوگوں کو تو اقامتِ عشرہ کرنا ہے اور اگر کوئی اقامت عشرہ نہ بھی کرے تو حرم مکہ اور حرم مدینہ اور مسجد کوفہ اور حائر حسینی میں مسافر کو پوری نماز پڑھنے کا حق ہے۔

نمازوں کے بعد معلم کے ساتھ طواف کے لیے آگے بڑھے باب سلام سے آگے بڑھنے کے بعد کتابوں میں یہ ہے کہ باب بنی شیبہ سے داخل ہو۔ یہ باب بنی شیبہ اب مقام ابراہیم کے موازی صحن ہی میں ہے جسے پتھر کے دو ستونوں پر ایک محراب بنا کر ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اصل مسجد الحرام کے حدود زمانۂ نبوی میں یہی تھے۔ متعدد بار توسیع مسجد ہونے میں یہ در اب صحن کے بیچ میں آگیا ہے۔ اس کے بعد فقہی حیثیت سے یہ چیز بڑی بحث طلب ہے، یہاں بھی اور مسجد نبوی میں بھی کہ جو احکام خصوصی مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے ہیں وہ ان توسیع شدہ حدود میں جاری ہیں

یا نہیں؟

اس باب بنی شیبہ میں ادھر ادھر جو دو ستون ہیں ان میں ایک پر لکھا ہے یعنی پتھر میں کھدا ہوا ہے ابوبکر اور دوسرے پر عمر۔ معلوم نہیں یہ کس مناسبت سے ہے؟

اس دروازے سے آگے بڑھ کر مقام ابراہیم کو داہنی طرف رکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے تو کعبۂ مقدس کے سامنے پہونچ گئے۔

کعبہ کو عموماً لوگ ایک کوٹھڑی کہہ دیا کرتے ہیں مگر یہ کوٹھری ہے جسامت میں بھی تو کافی بڑی چیز ہے جو بالکل چوکور تو نہیں مگر تقریباً چوکور ہے یعنی طول عرض سے تھوڑا ہی فرق ہے۔

اب جس رخ سے ہم گئے یعنی ادھر سے جانے میں بائیں ہاتھ پر جو گوشہ کعبہ کا ہے اسی گوشہ میں حجر اسود ہے۔ اس کے مقابل والے رخ کو جہاں چکر لگا کر آخر میں حجر اسود تک پہونچنے سے قبل ہی پہنچتے ہیں۔ رکن یمانی کہتے ہیں۔

حجر اسود سیاہ رنگ کا پتھر ہے جو کئی جگہ سے چٹخا ہوا ہے اور تاروں سے اسے کسا گیا ہے۔ یہ زمین سے اتنا ہی اوپر ہے جتنا ایک متوسط آدمی کا قد ہوتا ہے۔ ایک سنہری حلقہ کے اندر دیوار میں چھپا کر دیا گیا ہے اس طرح کہ پتھر اندر کی طرف ڈھلتا ہوا ہے اور حلقہ باہر نکلا ہوا کہ آدمی جب بوسہ لینے کے لیے منھ اپنا حجر اسود سے متصل کرتا ہے تو یہ حلقہ اس کے سر کا احاطہ کر لیتا ہے۔

زیادہ اونچے قد کے آدمیوں کو اس کا بوسہ دینے کے لیے ذرا اپنی پشت میں خم لانا پڑتا ہے اور چھوٹے قد والوں کو ذرا ایڑیوں کے بل اونچا ہونا پڑتا ہے۔

حجر اسود کے سامنے مثلث کے ایک ضلع کا ایسا پتھروں کی چنائی کا خط ہے جس خط پر پیر رکھ کر کھڑے ہوں تو حجر اسود مٹی کے سامنے ہوتا ہے اسی خط پر حجر اسود کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر طواف کی نیت کی جاتی ہے جس میں اس وقت یہ قصد ہوتا ہے کہ طواف عمرہ تمتع بجا لاتا ہوں حجۃ الاسلام کے لیے واجب قربۃ الی اللہ" اس کے بعد دوسری مرتبہ منیٰ سے واپس ہو کر جو طواف ہوگا وہ طواف حج ہوگا اور اس کے بعد طواف النساء جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ یہ تینوں طواف واجب ہیں۔ اس کے علاوہ روزانہ جو طواف ہوتے رہیں گے وہ مستحبی ہونگے۔ اور آخری دن طواف وداع ہوگا۔ وہ بھی بطور استحباب۔

طواف میں سات چکر لگانا ہوتے ہیں۔ یہ ساتوں سات طواف نہیں بلکہ ایک طواف کے سات جز ہیں جیسے نماز کے رکعات اس لیے علاحدہ علاحدہ نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ بے شک چونکہ گنتی محفوظ رکھنا ضروری ہے، اس لیے نیت ہر ہر چکر کے وقت ناگزیر طور پر پیدا ہوگی۔ اس کے بعد خانۂ کعبہ کی دیوار کے سامنے داہنے ہاتھ کی طرف چلنا چاہیے مگر اس طرح کہ جسم کا اگلا حصہ محاذی

کو رہے۔ یہ شرط ہمارے بہت سے علماء کے نزدیک ضروری ہے، سواد اعظم کے افراد ہیں منھ اٹھایا اور چل دیے۔ انھیں چکر پورے کرنے سے مطلب ہے مگر ہمارے یہاں یہ ضروری ہے کہ جسم کا سامنے کا حصہ کسی حال میں محاذاتِ کعبہ سے خارج نہ ہو اس کے لیے ضرورت ہے کہ داہنے ہاتھ کی طرف سے منھ کر کے نہ چلے بلکہ بلا تشبیہ تلوار کی کسرت میں جس طرح سرک لگائی جاتی ہے داہنے پہلو کی طرف روانہ ہو اور بایاں شانہ پیچھے کی طرف ہٹا ہوا ہو، یوں کہ منھ اور جسم کعبہ کی طرف رہے۔ چنانچہ معلم نے جب طواف کرایا تو پہلے اس نے بمبئی والے حاجی صاحب کے سر اور شانہ کو پکڑ کر انھیں اس طرح چلانا چاہا کہ یہ شرط حاصل ہو جائے مگر جب اس نے دیکھا کہ یہ اسے نہیں نباہ سکتے تو اس نے میرے سر اور شانہ کو پکڑ کر اس طرح چلایا اور ذرا دیر میں محسوس کیا کہ یہ خود یوں ہی چل رہے ہیں۔ تو پھر چھوڑ دیا میرے لئے تو خیر کوئی مشکل مرحلہ ثابت نہیں ہوا مگر پھر میں نے جب دوسرے لوگوں کو اسے سکھایا تو یہ دیکھا کہ یہ ان کے لیے بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے میں نے ان کے ہاتھ اور شانے پکڑ پکڑ کے بھی سیدھا کیا اور خود بھی چل چل کے انھیں بتایا مگر وہ ہاں ہاں تو کرتے رہے، لفظیں انھوں نے ذہن نشین کر لیں کہ ایسا ہونا چاہیے مگر عمل بہت مشکل ثابت ہوا غنیمت یہ ہے کہ اس شرط کا لازم ہونا متفق علیہ نہیں ہے چنانچہ جناب تاج العلماء نے حجۃ الاسلام میں تحریر فرمایا ہے کہ بعض محتاط لوگ قبل

پہونچنے کے باب حجر تک کچھ اپنے بدن کو کج کر دیتے ہیں اپنی بائیں طرف تاکہ بایاں شانہ ان کا منحرف خانۂ کعبہ سے نہ ہو اور دوسرے باب حجر تک پہونچنے کے پہلے داہنی طرف ٹیڑھے ہو جاتے ہیں کہ بایاں شانہ خارج محاذات سے نہ ہو اور علیٰ ہذا القیاس کی طرف کے محاذی پہنچ کے اور مزید احتیاط اسی میں ہے اگرچہ ثبوت اس کا محل تامل ہے، بلکہ خلاف اس کے ثابت ہے۔"

حجر اسود سے چل کر داہنے ہاتھ جو جاتے ہیں اس سمت خانۂ کعبہ سے متصل مسافت طواف کرنے والوں کے لیے بہت کم ہے اس لیے کہ ذرا ہی فاصلہ پر ادھر مقام ابراہیم ہے۔ اس کے اور کعبہ کے درمیان طواف ہوتا ہے۔ یہ بہت پتلی ایک پٹی ہے اس کے بعد جب دوسرے رکن تک پہونچ کر مڑتے ہیں تو خانۂ کعبہ سے متصل ایک احاطہ ہے جسے "حجر اسماعیل" کہتے ہیں۔ جناب ہاجرہ کی قبر اس حجر اسمٰعیل میں ہے اور اس میں اوپر وسط کو بین سونے کا پرنالہ لگا ہے جو "میزاب" کہلاتا ہے۔ جس کے تحت میں بڑے خضوع و خشوع سے نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور حجر اسماعیل میں بھی نماز کی فضیلت تسلیم شدہ ہے جس پر عمل درآمد بھی قائم ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ کسی محترم مذہبی شخصیت کی قبر کے پاس نماز نہ حرام ہے، نہ داخلِ شرک، طواف میں بھی اس حجر اسماعیل کو بر بنائے حکم شریعت داخل کر لیا جاتا ہے یعنی جس طرح کعبہ کا طواف ہوتا ہے اسی طرح اس حجر کا بھی طواف

لازما ہوتا ہے۔ یہ منزل ہے اس متوکل علی اللہ بیوی کی قبر کی جس نے حکم خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر کے نہ اپنے آرام کا خیال کیا، نہ اپنے لخت جگر کی جان کا۔ حجر اسماعیل سے گھوم کر کعبہ کی تیسری دیوار کی طرف پہونچ گئے اور اب حساب کر لیجئے کہ پہلا رکن وہ تھا جس میں حجر اسود ہے۔ دوسرا رکن وہ جہاں سے حجر اسمٰعیل شروع ہوا۔ تیسرا رکن جہاں حجر اسماعیل ختم ہوا۔ اب تیسری طرف کی دیوار کی جانب مڑے تو اب اس دیوار کے خاتمہ پر جو رکن آئے گا، یہ چوتھا رکن ہوگا جو حجر اسود والے رکن کے مقابلہ میں ہے۔ اسے جیسا کہ بیان ہوا: رکن یمانی کہتے ہیں اور اس کا استیلام وارد ہے جو متفق علیہ یعنی وہابی بھی استلام سے مانع نہیں ہوتے مگر ہمارے یہاں اُس کا بوسہ لینا بھی مسنون ہے۔ اس بوسہ لینے سے وہابی سختی کے ساتھ مانع ہوتے ہیں اور اپنے یہاں کی ایک حدیث یا کسی کتاب فقہی کی عبارت پڑھ دیتے ہیں یہاں کا استیلام ہے، تقبیل نہیں ہے۔

بہر حال اس کے استلام یا موقع ملے تو بوسہ لینے کے بعد جب پھر آگے بڑھیے تو اب دوبارہ حجر اسود کی موازات میں پہنچ جائیے گا۔ اب مستحب یہ ہے کہ حجر اسود کا بوسہ لیں، یہاں پر بوسہ لینے کا استحباب متفق علیہ ہے۔ وہابی بھی اس سے مانع نہیں ہیں۔ اگرچہ وہاں پر سپاہی کوڑا لیے ہوئے کھڑا ہوتا ہے مگر وہ بوسہ کے روکنے کے لیے نہیں بلکہ ان کے تدارک کے لیے جو حجر اسود سے لپٹ جاتے ہیں اور پھر دوسروں کو

بوسہ لینے کا موقعہ نہیں دیتے۔ اگر بوسہ نہ لے سکے تو ہاتھ بڑھا کر استلام کرے یعنی اُس سے مس کرلے اور ہاتھ اپنے منھ پر پھیر لے اور اگر ہجوم کی کثرت کی وجہ سے قریب پہنچنا ہی ممکن نہ ہو تو ہاتھیوں کی ہتھیلیوں سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرکے اُن کے ہاتھوں کو منھ پھیرلے۔ وہ لوگ جو دھینگا مشتی کرکے اور دوسروں کو دھکے دیدے کر جگہ پیدا کرتے اور بوسہ لینے ہی کو اپنا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں، بڑی غلطی میں مبتلا ہیں اور بسا اوقات بجائے ثواب کے عذاب مول لیتے ہیں۔

اب طواف کا ایک شوط یعنی چکر پورا ہوگیا۔ اس کے بعد پھر حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو اور پھر داہنے کی طرف چلے۔ یہ دوسرا شوط ہوگا اور پھر چکر پورا ہونے کے بعد حجر اسود پر پہنچ کر یہ شوط پورا ہوجاتا ہے۔ اس درمیان میں ہر شوط کی ایک دعا ہے جو معلمین کو حفظ ہے اور وہ پڑھاتے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ساتوں شوطوں کی دعائیں مطبوعہ بھی ملتی ہیں ہمارے یہاں یہ ادعیہ وارد نہیں ہوئے ہیں مگر چونکہ معنی ان میں کوئی چیز غلط نہیں ہے لہٰذا پڑھنا ان کا ہمارے لیے بھی درست ہے۔

طواف کے بعد جہاں تک ممکن ہو، مقام ابراہیم میں ورنہ اس سے جتنا قریب ہو سکے دو رکعت نماز طواف بصورت نماز صبح پڑھے طواف واجب کے ساتھ یہ نماز بھی واجب ہوگی۔ ہاں اگر طواف سنتی ہو تو اس نماز کو بھی سنت کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔

طواف اور نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر جانے کے لیے چلے تو

اب سنت ہے کہ تھوڑا سا آب زمزم لے کر پیے اور سر پر ڈالے اور منھ ہاتھ دھولے۔ چاہ زمزم احاطہ مسجد میں داخل ہے لیکن سقے بھی مشک میں آب زمزم لئے ہوئے موجود رہتے ہیں چنانچہ ہم لوگوں نے اسوقت سقے ہی سے آب زمزم لے کر پیا اور تھوڑا سا سر اور منھ پر ڈالا۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار بر صغیر
maablib.org

سعی اور تقصیر

حج تمتع میں پہلے عمرہ ہی کا لانا ہوتا ہے اور پھر دوبارہ حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ یہ عمرہ کے واجبات ہیں جن میں سے طواف اور نماز طواف ابھی تک دو واجب ادا ہوئے ہیں۔

نماز کے ذیل میں مثل مسجد مدینہ کے یہاں بھی سجدہ گاہ رکھنا تو ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ سپاہی مانع ہوں گے مگر یہاں مسجد حرام میں یہ مشکل ہمارے لیے اس طرح آسان ہو گئی ہے کہ پوری مسجد میں خواہ صحن ہو اور خواہ دالان فرش زمین کا اس صورت سے بنا ہوا ہے کہ سنگ مرمر کے درمیان کہیں تو دھاریوں کی شکل میں اور کہیں گوٹ کی طرح سے سنگ سرخ اور سنگ سیاہ لگا ہوا ہے یہاں تک کہ مقام ابراہیم میں جو خاص جگہ نماز طواف کی ہے پانچ مصلے بنے

ہوئے ہیں جن میں سے تین سنگ مرمر کے ہیں اور دو دوسرے پتھر کے اسی طرح خانہ کعبہ کی گرد تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سنگ سیاہ کے ملے ہیں اور حجر اسماعیل میں میزاب کے تحت ہیں اور اسکے سامنے قبلی زمین ہے اس میں مختلف رنگوں کے پتھر لگے ہوئے ہیں۔

ہمارے علماء صرف سنگ مرمر پر سجدہ میں اشکال محسوس کرتے ہیں اسلیے کہ اس کے معادن میں داخل ہونے کا خیال ہے مگر دوسرے پتھر جو سنگ خارا کی قسم کے ہیں وہ سب اجزائے ارض میں داخل ہیں جن پر سجدہ بلا اشکال درست ہے۔ اس طرح کوئی دقت باقی نہیں رہی ہے ہم میں سے کوئی شخص جہاں پر بھی کھڑا ہو بس اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ پیشانی سنگ مرمر والے حصہ پر نہ پڑے بلکہ کسی دوسرے قسم کے پتھر پر واقع ہو۔

اب نماز طواف کے بعد حرم کے پھاٹک سے باہر نکلیں اور تیسرا واجب ادا کریں جو صفا و مروہ کے درمیان سعی ہے۔

جب مسجد حرام سے مقام ابراہیم میں سے گزرتے ہوئے اور زمزم کے پہلو سے ہوتے ہوئے سامنے کے دروازوں میں سے کسی سے جن میں ایک باب السلام ہے اور کئی دروازے تھوڑے فاصلہ سے ہیں باہر نکلیں تو ایک لمبے سے دالان میں پہنچتے ہیں جن کے دائیں طرف صفا ہے اور بائیں طرف مروہ، یہ دونوں وہ پہاڑیاں جن پر حضرت ہاجرہ نے جاکر تلاش آب میں سات چکر لگائے تھے۔ اسی کی یادگار

میں ان کے درمیان سات چکر لگانا عمرۂ حج کا جز ہوگیا ہے اسی کو سعی کہتے ہیں۔
سعی کی ابتدا صفا سے ہونا چاہیئے اور یہاں سے مروہ تک پہونچ کر ایک عدد پورا ہو جائے گا پھر مروہ سے صفا تک آئیں گے تو دوسرا چکر ہوگا۔ احباب میں سے بعض نے بیان کیا کہ انھیں مطوف نے صفا مروہ کی آمد و رفت کا ایک چکر حساب کر کے چودہ مرتبہ دوڑایا۔ یہ غلط ہے۔ آمد و رفت میں ایک نہیں بلکہ دو چکر پورے ہوں گے۔ اس طرح ساتواں چکر اس وقت ختم ہوگا جب چوتھی مرتبہ مروہ پر پہونچے گا اس طرح:
(۱) از صفا تا مروہ (۲) از مروہ تا صفا (۳) از صفا تا مروہ (۴) از مروہ تا صفا (۵) از صفا تا مروہ (۶) از مروہ تا صفا (۷) از صفا تا مروہ۔
جناب تاج العلماء طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔
ابتدائے سعی ابتدائے صفا سے ہونا چاہیے اور ابتدائے عرفی کافی ہے لیکن احوط یہ ہے کہ پاؤں کی ایڑی ملادے اول مسافت سے بلکہ چار زینے صفا پر چڑھ کے نیت کرے اور برابر وہی نیت باقی رکھے ان سے اترتے وقت تک اور نیت کرے کہ درمیان صفا و مروہ سعی کرتا ہوں سات بار فریضہ عمرہ تمتع میں واجب قربت الی اللہ پھر وہاں سے پیدل یا سوار حالِ عذر میں چلے مروہ تک اس طرح پر کہ پاؤں کی انگلیاں ملادے اس زینے سے کہ جس پر چڑھتے ہیں مروہ کے زینوں سے اور یہ ایک شوط ہو گیا پھر انہی شرائط کے لحاظ سے مروہ سے چلے صفا تک اور یہ دوسرا شوط سعی کا ہوا یہاں تک کہ ساتواں شوط مروہ پر

ختم ہوگا اور یہ آمد و رفت معمولی راہ سے ہوگی۔ نہ اور کسی جدید راہ سے اور یہ آنا جانا بھی معمولی طور پر ہوگا۔ نہ الٹے پاؤں پھرنا البتہ اتفاق سے اثنائے سعی میں پشت سر کی طرف پھر جانے میں کسی ضرورت سے حرج نہیں، چہ جائیکہ داہنے بائیں مڑنے میں اور سعی کرتے کرتے اثنائے راہ میں بیٹھ نہ جائے اگرچہ ختم شوط کے بعد صفا یا مروہ پر کچھ ٹھہر کے دم لے سکتا ہے۔ (حجۃ الاسلام)

یہ صفا اور مروہ دونوں اصل میں تو دو پہاڑیاں ہی تھیں جن پر پہلے قدرتی پتھروں کے اونچے نیچے حصوں کے سہارے سے چڑھا جاتا تھا مگر ہمارے پہونچنے کے پہلے سے تعمیر جدید کے ذیل میں ان پہاڑیوں کو ڈھا کر اپنا مسطح سے اڑانے کا کام جاری تھا اور غالباً ہم آخری وہ آدمی تھے جو ان پہاڑیوں پر چڑھے اس طرح جیسے پہاڑی پر چڑھنا کہتے ہیں۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے دو چار دن میں پہاڑیوں کے پرچے غائب ہوگئے اور پھر ان کے بجائے چوڑی چوڑی سیڑھیاں بن گئیں جن میں نیچے درمیان میں ایک منڈیر سے حد فاصل قائم ہے کہ ایک طرف سے چڑھنے والے چڑھیں اور دوسری طرف سے اتر کے دوسری پہاڑی کی طرف روانہ ہولیں۔ اس طرح گزرگاہ سعی میں اب دن وے بن گیا ہے یعنی ایک طرف سے جانا اور دوسری طرف سے آنا۔ یہ بلا شبہ بھیڑ بھاڑ کے روکنے کے لحاظ سے آسانی و آرام کا ذریعہ ہے مگر۔ یہ چیز قابل غور ضرور ہے کہ قرآن مجید میں صفا و مروہ کو شعائر اللہ کہا گیا ہے جو پہاڑیوں کے نام تھے۔ صرف اس زمین کو نہیں جس پر یہ

پہاڑیاں تھیں، اس لیے ان پہاڑیوں کو اس شکل سے کہ جس کا نام پہاڑی ہے بدل کر سیمنٹ اور موزنگ کے زینوں میں تبدیل کر دینا شعائر اللہ کا محو کرنا ہے یا نہیں

اس سے پہلے وہ مشاہد منہدم کیے گئے جو بالعموم داخل شعائر تھے اور اب یہ شعائر بھی ختم کیے گئے جو بالنص شعائر الٰہی ہیں مگر سرزمین حرم پر کسی میں دم کہاں جو اس پر لب کشائی کرنا کیسا دم بھی مارے۔

اصلاح میں بس یہی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ اصلاح کی دھن میں کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جو کسی مفاد حق اور قانون الٰہی سے تصادم رکھتی ہو۔ ورنہ ان اصلاحات کے ذیل میں بے شک بہت باتیں بہت اچھی بھی ہوئی ہیں۔ مثلاً یہیں صفا و مروہ میں سنا ہے کہ چند سال ادھر بازار تھا۔ سامنے دوکانیں تھیں جن پر خرید و فروخت کی وجہ سے گاہکوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ پھر راستہ چلنے والوں کا ہجوم، گھوڑے اور اونٹ بھی آتے جاتے ہوں گے اس دھکا پیل میں حاجیوں کا سعی کرنا جس میں ظاہر ہے کہ کتنی مصیبت کا سامنا ہوتا ہوگا۔ ابھی دو تین برس ادھر ہی کی یہ بات ہے کہ اس بازار کو کھود ڈالا گیا۔ صفا و مروہ کے درمیان کے حصہ کو جہاں سعی ہوتی ہے دیواروں اور دروں سے محدود بنا دیا گیا ہے اور بازار اس سے کافی دور ہٹا کر پرے قائم کر دیا گیا جس سے بلاشبہ شعائر حج کا احترام بھی محفوظ ہو گیا اور حاجیوں کو آسانی بھی ہو گئی۔

سعی میں پوری مسافت تو ہر پھیرے میں مناسب رفتار سے طے ہونا چاہیے مگر صفا کے قریب آنے جانے میں میلین اخضرین یعنی دو سبز رنگ کے نشان ہیں۔ ان کے درمیان مردوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ ہاتھوں کو جنبش دیتے ہوئے دوڑنے کی شکل اختیار کریں پھر جب اس نشان سبز سے گزر جائیں تو آدھی رفتار اختیار کریں مگر بعض معلمین کو دیکھا کہ وہ پوری سعی میں دوڑتے اور حاجیوں کو دوڑاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ وہ عورتوں کو بھی دوڑا دیتے ہیں حالانکہ شریعت نے اس محل پر بھی عورتوں کے وقار کا تحفظ کیا ہے۔

ہمارے ساتھ معلم نے خیر یہ تو نہیں کیا کہ پوری مسافت میں دوڑائے۔ بلکہ میلین اخضرین کی طرف ہماری نظریں موڑ دیں کہ ان کے درمیان دوڑنا چاہیے۔ مگر ہاں سب کے دوڑنے کو کہہ دیا تو بیچاری عورتیں بھی جو خوجہ حضرات کے ساتھ تھیں دوڑنے لگیں میں نے انھیں منع کر دیا اور کہہ دیا کہ یہ حکم عورتوں کے لیے نہیں ہے۔ بہرحال صفا و مروہ کے درمیان اس شریعت کے حکم سے یہ پتہ ملتا ہے کہ ہمارے یہاں کا یہ معیارِ تقدس چلنے میں آہستہ قدم اٹھانا پرہیزگاری کی دلیل ہے مقصدِ شارع کے مطابق نہیں ہے وہاں تو ہر دینداروں کو سپاہی بنانا ہے، نہ کہ جس کو کہتے ہیں مقدس اور فقط مقدس رہا۔

سعی کا ساتواں چکر مروہ کے اوپر پہونچ کر پورا ہو گیا تو اب

عمرۂ تمتع کا آخری واجب جزء ادا ہوگا جو تقصیر کہلاتا ہے۔

تقصیر کے معنی یہ ہیں کہ سر یا ڈاڑھی یا مونچھوں وغیرہ کے تھوڑے سے بال یا ہاتھ یا پیر کے ناخون ترشوا دیے جائیں، اس کے لیے معلم خود قینچی اپنے پاس رکھتے ہیں اور مروہ کے اوپر پہنچ کر وہیں ہر ایک کے ذرا ذرا سے بال کاٹ دیتے ہیں، عورتوں کے لیے قینچی خود انھیں دیدی گئی کہ وہ خود ذرا سے اپنے سر کے بال تراش لیں یہ تقصیر بھی چونکہ جزء عبادت ہے لہٰذا اسے بھی نیت کے ساتھ ہونا چاہیے یعنی یہ قصد ہو کہ یہ جو سر کے بال یا ناخون کٹوا رہا ہوں یہ اس غرض سے ہے کہ میں احرام کی پابندیوں سے باہر نکلوں واجب قربۃً الی اللہ،

بس اس کے بعد یہ احرام جو عمرہ کا تھا ختم ہو گیا چنانچہ احرام ختم ہونے کے مظاہرہ کے طور پر اب مطوف ہماری چادر کو لے کر ہمارے سر پر ڈال دیتا ہے کیونکہ ابھی تک ہم سر برہنہ تھے کسی بھی چیز سے سر ڈھانپنا حرام تھا۔ اب گھر واپس ہوئے تو چادروں کو سروں پہ ڈالے ہوئے اور گھر آ کے اطمینان کے ساتھ اب یہ چادریں اتاریں اور عام کپڑے پہن لیے۔ اور اب سب پابندیاں جو حالت احرام میں تھیں ختم ہو گئیں۔ بے شک ایک بڑی اہم بات جناب تاج العلماء نے حجۃ الاسلام میں لکھی ہے جس پر غور کرنے کی ان لوگوں کے لیے بڑی ضرورت ہے جو بیویوں کے ساتھ حج کو گئے ہوں۔ وہ یہ ہے کہ:-

طواف النساء جس کے بعد عورت حلال ہوتی ہے عمرۂ تمتع کے بعد

مشروع نہیں ہے۔ وہ ارکان حج ہی کے ادا کرنے کے بعد ہوگا لہٰذا عورت اس عمرہ کے ختم ہونے کے بعد بھی حلال نہ ہوگی بلکہ انتظار کرنا ہوگا کہ حج کی تاریخیں آئیں اور پھر ارکان حج پورے ہونے کے بعد طواف النساء ہو اس وقت عورت کے پاس جانے والی حرمت ختم ہو گی۔ اس کے پہلے نہیں۔ مگر جناب تاج العلماء کے اس ارشاد پر مجھے مزید تامل و تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس کے لیے فرصت درکار ہے۔ بہر حال یہ بات مسلم ہے کہ عمرہ کے ساتھ طواف النساء کا حکم نہیں آیا ہے۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

تصورات و تاثرات

مدینہ منورہ کے تاثرات پہلے لکھے جا چکے ہیں۔ اب مکہ معظمہ کی باری ہے کہ سچ پوچھیے تو یہاں کے داخلہ کے وقت بس فرض کی زنجیر ہوتی ہے جو قدم آگے بڑھاتی ہے۔ وہ محبت کی کشش نہیں ہوتی جو مدینہ منورہ میں داخلہ کے وقت آگے بڑھاتی ہوتی ہے۔

داخل ہوتے وقت کم از کم مجھے تو ناخوشگوار یادیں ہی آ رہی تھیں۔ یہاں ہمارے رسولؐ کے جسم اطہر پر پتھر برسائے جاتے تھے، یہاں ہمارے پیغمبر کے سر مطہر پر خس و خاشاک پھینکا جاتا تھا، یہاں سے حضرتؐ کو باہر نکالا گیا۔ یہاں آپ کی جان لینے کا منصوبہ بنایا گیا۔ یہاں آپ کے متبعین کو طرح طرح کی ناقابل برداشت ایذائیں دی گئیں اور خاص بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فتح کرنے کے بعد بھی اسے پھر اپنا مستقر نہیں بنایا۔ یہ سب یادیں اور ان سے متعلقہ واقعات بڑی تیزی کے ساتھ دماغ پر مرتسم ہوتے چلے گئے اور ان سے جس طرح کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہے مگر یہ سب شہر مکہ میں داخل ہونے تک تھا جب تک حرم کے اندر نہ پہونچے تھے مگر جب حرم میں داخل ہو گئے تو اب ایک نئی قسم کے تاثرات تھے جن کے مانند اس کے پہلے کبھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ اول تو نماز میں ایک خاص کیف کہ وہ کعبہ جس کی سمت کی تعین کتنی کوشش کے ساتھ کی جاتی تھی۔ اس وقت وہ بالکل آنکھوں کے سامنے ہے اور اس وقت سمت پرستی کے خاتمہ کا عملی ثبوت ہو رہا ہے کہ اب مشرق، مغرب، جنوب اور شمال ہر طرف نماز ہو رہی ہے، کیونکہ چاروں طرف سے کعبہ کی طرف منھ ہو رہا ہے اور جس وقت نماز جماعت ہوتی ہے، اس وقت کعبہ کو وسط میں قرار دے کر حلقہ کی شکل میں صف قائم ہوتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہ مرکز ہے جس پر اسلام کا کرہ گردش کر رہا ہے اور پھر طواف کی حالت میں وہ درمیان میں کعبہ کا بصد تمکین سکون اور وہ طائفین کا اس کے گرد ہر وقت پھرنا۔ یہ ہر وقت کی لفظ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ بالکل حقیقت ہے حالانکہ ہم حج سے کوئی ڈیڑھ مہینہ پہلے پہنچ گئے تھے اس لیے ابھی مجمع زیادہ کیا، جس کا نام مجمع ہے۔ وہ بالکل ہوا ہی نہ تھا۔ پھر بھی رات اور دن کسی وقت یہاں تک کہ دوپہر کو جب عرب کا آفتاب بالکل سر پر ہوتا ہے اور قدم کے نیچے پتھر آہن گرم کی طرح تپتے ہوتے ہیں پیر نہیں

رکھا جاتا، اس وقت بھی طواف ہو رہا ہوتا ہے، کوئی وقت ایسا معلوم نہیں جس میں کچھ لوگ مصروف طواف نہ ہوں۔

یہاں ایک طرف جلالِ الٰہی کا تصور بڑی قوت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ وہ کعبہ کی ایک شانِ بے نیازی اور چاروں طرف افراد خلق کا پروانہ وار پھرنا جن میں سلاطین روزگار بھی ہو سکتے ہیں ارباب دولت و اقتدار بھی۔ مدعیان علم و کمال بھی اور عاجز و درماندہ افراد بھی یعنی واللہ الغنی وانتم الفقراء اور ان اللہ غنی عن العالمین کا مرقع ہے جو عالم مثال میں سامنے ہے۔

دوسری طرف دین کی طاقت کا ایک بدیہی ثبوت آنکھوں کے سامنے آتا ہے، سلاطین یا اقتدار نے کتنے مرکز بنائے جہاں سلامی کے اوقات مقرر ہوئے۔ لوگوں کو زبردستی جھکنے پر مجبور کیا گیا مگر وہ سب ڈیوڑھیاں آج ویران اور سنسان ہیں اور وہ انسان اپنے خلیل کے دہن سے جو ایک آواز بلند کرا دی واذن فی الناس بالحج وہ آواز اس وقت بھی فضائے کائنات میں گونجی اور اس وقت سے آج تک جسے کئی ہزار برس ہو گئے گونجتی رہی اور اس وقت بھی گونج رہی ہے اور کتنے بندگان خدا شرق اور غرب عالم میں اس آواز کو اب بھی سنتے اور اس پہ لبیک کہتے ہیں اور اس کا اثر یہ ہے کہ سال کے ایک دن نہیں بلکہ سال کے ہر دن میں اور ہر دن اور رات کی ہر ساعت میں اس کعبے کے گرد طواف ہوتا ہے اور برابر ہوتا رہتا ہے۔

سب تصورات اس وقت تک کہاں پیدا ہوتے ہیں جب تک آدمی نہ زندگی میں کبھی خود اپنی آنکھوں سے اس منظر کا مشاہدہ نہ کرلے ورنہ جب تک اپنے اپنے شہر میں ہیں اور حج نہیں کیا ہے اس وقت تک تو ایسا ہی تصور ہوتا کہ حج کے زمانہ میں کعبہ کے گرد و پیش بلا شبہ ایک میلہ لگ جاتا ہوگا اور پھر سناٹا ہوجاتا ہوگا اور مکمل سناٹا مگر دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ کوئی وقتی اور ہنگامی چیز نہیں ہے جو وہاں سال میں ایک دن ہوتی ہو بلکہ وہ بارگاہ احدیت میں اس کے بندوں کا ایک مظاہرہ عبودیت ہے جو مستقل طور پر جاری رہتا ہے اور جس طرح ہر وقت دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں نماز ہوتی اسی طرح ہر لمحہ میں یہاں طواف بھی ہوتا ہوا ہوتا ہے۔

پھر ایک عجیب و غریب بات ہے۔ کعبۂ مقدسہ کی عمارت میں کوئی زیب و زینت نہیں ہے، کوئی تعمیری صناعی کا نمونہ نہیں ہے کوئی وہ حسن جسے لفظوں میں بیان کیا جائے معلوم نہیں ہوتا۔ بس ایک سادہ سپاٹ دیواروں کی عمارت ہے جس پر سیاہ رنگ کا غلاف چڑھا ہوا ہے مگر اس کے باوجود اس میں کچھ خوشنمائی ایسی ہے کہ مختلف اطراف سے حرم میں بیٹھ کر دیر دیر تک کعبہ پر نظر جمائے رہنے کو دل چاہتا تھا۔

یہ اس حدیث کے تصور سے نہ تھا کہ النظر الی الکعبۃ عبادۃ کیونکہ وہ تو تصور کے ماتحت ارادۃً نظر ہوتی بلکہ جیسے کسی مجمع میں کوئی غیر معمولی حسین ہو تو خود بخود ادھر سے نظر گھوم کر اس پر آجاتی ہے۔ ویسے ہی غیر ارادی طور پر نظر ادھر ادھر سے گردش کر کے خود سے کعبہ

پر آجاتی ہے اور پھر جمی رہتی ہے۔ عین اس وقت جبکہ ہم بتا نہیں سکتے کہ اس عمارت میں کیا حسن ہے؟ اس میں کوئی حسن ہے؟ اپنی جاذبیت محسوس کراتا ہے۔

اس کے ساتھ ایک غیر معلوم الکیفیۃ رعب و ہیبت بھی ہے جو قلب کو محسوس ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے ایک عظیم الشان بادشاہ کا دربار ہے۔

یہ جلال و جمال کا سمویا ہوا منظر وہ ہے جس کے پیدا کیے ہوئے تاثرات کو وہاں جاکر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ انھیں بتایا نہیں جا سکتا کہ وہ کیا ہیں۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار بریّہ
maablib.org

مشاغل و مصروفیات

اب تقریباً ڈیڑھ مہینے کا زمانہ مکہ معظمہ میں اس طرح گزارنا تھا کہ اس میں بحیثیت واجبات حج کوئی پروگرام شریعت کی طرف سے نہیں ہے عمرہ ختم ہو چکا ہے اور حج کا زمانہ ابھی آیا نہیں ہے بے شک ہماری فقہ کی رو سے اس درمیانی زمانہ میں ہم کو حدود حرم سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے وہیں قیام کرنا چاہیے۔ غالباً یہ مسئلہ حنفی وغیرہ فقہ میں نہیں ہے اس لیے ہم نے دیکھا کہ لوگ عمرہ کے احکام بجا لاتے ہیں اور پھر درمیان میں جدہ چلے جاتے ہیں یا طائف وغیرہ کی سیر کر آتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہ تھا ہمیں تو بس قیام کرنا تھا اور یہیں وقت گزارنا تھا اس لیے پروگرام اب جو کچھ تھا وہ خود اپنا عائد کردہ تھا جس میں تقریباً یک رنگی تھی اس لیے اس ڈیڑھ مہینہ کے حالات روزنامچہ کے طور پر لکھے جانا بالکل بے سود تھے اب روزانہ کا پروگرام

یہ تھا کہ صبح صادق کے وقت اٹھے۔ ضروریات سے فارغ ہوئے، منھ دھویا وضو کیا اور حرم چلے گئے۔ وہاں کعبہ کے سامنے نماز پڑھی اور دعا و تلاوت جو ہمیشہ ان کے معمولات میں داخل ہے پڑھ کر طواف کیا اور نماز طواف کے بعد جائے قیام پر واپس آئے۔ یہاں چائے تیار ہوتی تھی اس لیے کہ میں تو چائے کا کسی وقت کا بھی عادی نہیں ہوں مگر ہمارے رفیق اور ہم منزل خواجہ صاحب چائے کے دو وقت عادی تھے اور ہم سے بھی اصرار کرتے تھے تو سہ پہر والی چائے سے تو میں نے سختی سے انکار کر دیا تھا اس لیے کہ گرمی کی شدت میں اس وقت تو مجھے چائے کے نام تک سے گویا پسینہ آنے لگتا ہے پینا کیا اگر صبح کی چائے میں شرکت میں نے منظور کر لی تھی جس کے ساتھ بسکٹ کھجوریں اور نمک پارے وغیرہ میں اپنے ساتھ کے ذخیرہ میں سے نکالتا تھا جو "یادِ [illegible] بخیر" صغرٰی رضا اینڈیٹر اور ان کی مہربانی و محبت سے اتنی کثرت سے میرے ساتھ تھا کہ اس نے دو مہینے تک ناشتے ہی میں وفا نہیں کی بلکہ عرفات اور منیٰ میں جہاں کہ کھانے کا انتظام آسانی سے ممکن نہ تھا، تین چار دن اسی ذخیرہ نے دوپہر اور شام کے کھانے کی بھی قائم مقامی کی چنانچہ یہی صبح کے ناشتے میں فقط میں ہی نہیں بلکہ ساتھ کے حضرات بھی چائے کے ساتھ کھاتے رہے۔ اس طرح لطف لی و لطف لک کا عملی نمونہ تھا گویا اس طرح تھا کہ چائے ان کی اور بسکٹ وغیرہ ساتھ کے میرے۔

اس کے بعد اگر ہمارے محترم ساتھی کو بُلاس لگ گئی یعنی انھوں نے اپنے واقعاتِ حیات میں سے کوئی تذکرہ شروع کر دیا تو چند گھنٹے اس میں

گزر گئے اور اگر ان کی طرف سے اس بارے میں کوئی پیش قدمی نہ ہوئی تو پھر سے مجھے یہ فن بالکل آتا ہی نہیں۔ یعنی اس بارے میں میری قوت گویائی اتنی کم ہے کہ گھنٹوں گزر جائیں، اگر میرے پاس کا آدمی بات نہیں کر رہا ہے تو میری سمجھ میں کبھی آتا ہی نہیں کہ میں کیا بات کروں اب اگر وہ دوسرا بھی بفضل خدا اس جوہر سے عاری ہوا تو اب گفتگو کا کوئی امکان ہی نہیں۔ چنانچہ اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے اور آداب تسلیمات اور مزاج پرسی کے بعد وہ خاموش بیٹھ گئے اور نہ ان کی سمجھ میں آیا کیا بات کریں اور نہ میری تو بس تھوڑی دیر میں انھوں نے کہہ دیا کہ اجازت ہے؟ اب رخصت ہوتا ہوں اور میں نے کہہ دیا۔ بسم اللہ خدا حافظ اور وہ رخصت ہو گئے۔ اب اس صورت میں کمال یہ ہے کہ ایسے بھی بعض حضرات وقت کافی لے لیتے ہیں یعنی بات تو کچھ نہیں کی، مگر بیٹھ گئے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے۔ یہ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اتنی دیر بلا کسی گفتگو کے وہ کس طرح بیٹھ لیتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ہمارے ساتھی کسی کام میں مصروف ہو کر یا اتفاق سے باتیں کرنے کے موڈ میں نہ ہوں۔ اور ایسا کم ہی ہوتا تھا تو ہم نے لکھنے پڑھنے کا سامان اٹھا لیا۔

لکھنے پڑھنے کا لفظ لکھتے ہی وہ داغ تازہ ہو گیا یعنی اب لکھنے پڑھنے کا سامان زیادہ تھا ہی کہاں؟ وہ تو حکومت سعودی کے کسٹم کی نذر ہو گیا۔ اب اپنے لکھے ہوئے تفسیر کے اجزا رہ گئے تھے۔ اس میں

maablib.org

بھی آگے لکھنے کے لیے کوئی کتاب ساتھ نہ تھی، یا پھر اسی سفر نامہ حج کے اجزاء کا لکھنا تھا یا خط گھر کے لیے لکھ دینا تھا یا روزہ کا حساب جس کے پابندی کے ساتھ لکھنے کا میں مدتوں سے عادی ہوں۔ اس کے بعد پھر ایک دفعہ حرم گئے۔ نماز تحیہ مسجد میں پڑھی اور طواف کیا۔ نماز طواف کے بعد کسی ایوان میں بیٹھ کر ایک ربع یا نصف پارہ قرآن کی تلاوت کی۔

اب اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہمارے خوجے بھائی نے ہمیں پکڑ لیا، بازار لے گئے اور چیزوں کی خریداری میں مصروف ہو گئے اس لیے کہ وہ عربی میں بات نہیں کر سکتے۔ بغیر ہمارے کام نہیں چلتا۔ اب اسے خدمت خلق سمجھ لیا جائے یا ساتھ رہنے کے حق کی ادائی تو خیر ٹھیک ہے ورنہ اس ڈیڑھ مہینے میں بڑا کافی وقت بازاروں کی ہیرا پھیری میں وہ بھی دوسروں کی خاطر ضائع ہوتا رہا۔ کبھی یہ بازار کا طواف حرم سے پہلے ہوتا تھا اور ان کے ساتھ کافی پھر چکنے کے بعد ہم تڑائی کر کے حرم پہونچے تھے اور کبھی جیسا کہ پہلے لکھا گیا حرم سے یہ ہمیں گرفتار کرتے تھے اور اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اب اس کے بعد دوپہر کا وقت قریب آگیا۔ شیخی کبھی تو یہ صاحب اگر پہلے سے کسی خاص پکائی ہوئی چیز کے لیے مدعو کر چکے ہیں تو ہم نے فقط روٹی بازار سے لے لی اور ان کے ساتھ آکر کھانے میں شریک ہو گئے یا بالکل دعوت ہے تو کچھ نہیں خریدا اور جب ایسا نہیں ہے تو اب مکان پر آکر قرآن مجید کو اس کی جگہ پر رکھا اور پھر بازار جا کر خواہ ہوٹل ہی میں کھانا کھا لیا اور خواہ کچھ خرید کر

لے آئے اور مکان پر کھانا کھایا۔

کھانے کے بعد دوپہر ہو گئی اور اب دو ڈھائی گھنٹے سونے یا سونے کی حالت بنائے رہنے میں صرف ہو گئے کیونکہ ساتھ والے بھی سو رہے ہیں اور گرمی اتنی ہے کہ گھر سے باہر نکلنے کا اب وقت نہیں ہے۔

اس کے بعد یہاں کے ۹ بجے اور ہمارے یہاں کے تقریباً چار بجے کا وقت آگیا۔ اس مرتبہ حرم جانے میں اوپر اور نیچے کے رہنے والے سب فیجے صاحبان ذکو روانا شتیار ہو کر ہمارے ساتھ جاتے ہیں اور حرم جا کر پہلے ظہرین کی نماز ہوتی ہے اس کے بعد سب اجتماعی طور پر طواف کرتے ہیں اور نماز طواف کے بعد میں ان لوگوں سے الگ ہوتا ہوں اور کہیں بیٹھ کر پھر تلاوت قرآن مجید کرتا ہوں جس کے بعد تقریباً ایک گھنٹے کا وقت غروب میں رہ جاتا ہے اب اکیلے راستا چلنے کی نیت سے کسی رخ پر نکل جاتا ہوں چنانچہ ڈیڑھ مہینے کے قیام میں ہم کافی راستہ چلے اور جتنے بڑے راستے مکہ معظمہ کے تھے تقریباً سب ہی دیکھ لئے اور یاد کر لیے بلکہ بہت سی گلیاں بھی منج گئیں۔

اب مغرب کا وقت آگیا اور حرم پہونچے ایسے وقت جب جماعت ہونے والی تھی۔ مغربین کی نماز اور اس کے بعد پھر طواف کر کے واپس ہوئے۔ اس طرح روزانہ کم از کم چار طواف تو ضرور ہوتے تھے۔ چونکہ بہتر یہ ہے کہ انسان زمانۂ قیام مکہ معظمہ میں تین سو ساٹھ طواف کر لے جن میں سے ہر ایک سات چکروں کا ہوتا ہے یہ زیادہ افضل ہے اور

نہیں تو تین سو ساٹھ چکر ہی ہو جائیں اس کا مطلب یہ ہے کہ باون[۵۲] طواف کر لے۔

اب ان طوافوں کی تقسیم ہم نے پھر اس طرح کی جس طرح مدینہ منورہ میں زیارتوں کی یعنی پہلے آباؤ اجداد، پھر اساتذہ، پھر اعزا و اقارب پھر احباب مگر مدینہ منورہ میں دن کم تھے اور زیارتیں محدود، اس لیے تقسیم میں بہت زیادہ انتخاب سے کام لینا پڑا تھا، مثلاً اجداد میں صرف جناب غفرانمآب رح کو لیا تھا اور اساتذہ ہندستان میں فقط نجم الملۃ اعلی اللہ مقامہ کو اور اساتذہ عراق میں صرف آقا مرزا ابوالحسن مشکینی طاب ثراہ کو مگر یہاں وسعت زیادہ تھی اس لیے جناب غفرانمآب سے لے کر ابا جان تک جتنے بھی اسلاف ہیں۔ ہر ایک کی نیابت میں ایک طواف ہو لیا اور اساتذہ میں بلا استثنا ہر ایک کے لیے طواف ہوا جن میں سے اب صرف ایک عراق میں موجود ہیں اور وہ آیۃ اللہ آقا سید ابوالقاسم خوئی مدظلہ ہیں جن سے میں نے کفایہ کا درس سطحی حاصل کیا ہے اور ایک ہندوستان میں بحمد اللہ موجود ہیں اور وہ بڑے بھائی صاحب مولانا میرن صاحب قبلہ مدظلہ ہیں[۱] جن سے میں نے لکھنؤ کی طالب علمی میں منطق کی کچھ کتابیں جیسے ملا حسن وغیرہ وقتاً فوقتاً پڑھی تھیں۔

ان دو بزرگوں کے علاوہ اب اس خاکدان عالم میں کوئی

---

[۱] افسوس ہے کہ ان سطور کی اشاعت تک یہ بھی مرحوم ہو گئے۔

متنفس باقی نہیں رہ گیا ہے جس سے رسمی طور پر عربی یا فارسی میں میں نے کچھ پڑھا ہو اور یوں تو انسان اگر ہوش و گوش رکھتا ہے تو عمر بھر وہ طالب علم ہے اور کچھ نہ کچھ سیکھتا ہی رہتا ہے۔ بہرحال ایک ایک طواف یہاں اساتذہ میں سے ہر ایک کی طرف سے ہوا۔ خواہ وہ اس دنیا میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

اس کے علاوہ یہاں الناکابر اسلاف کی طرف سے بھی طواف کیا جو سلسلۂ نسب میں شجرہ کے اندر داخل نہیں ہوتے پھر بھی کسی طرف سے اجداد میں داخل ہیں جیسے جناب سلطان العلماء وغیرہ یا سلسلۂ اجداد میں داخل بھی نہیں ہیں مگر ان کے علمی حقوق ہیں جیسے جناب تاج العلماء علیہ الرحمہ جو جامعیت علوم و فنون کے اعتبار سے آل غفرانمآب میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے اور سلطان المحدثین مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ جو سلسلۂ اساتذہ میں بالواسطہ ہونے کے علاوہ مجھ سے محبت خاص رکھتے تھے اس کے علاوہ بزرگ جو مجھ سے خاص محبت رکھتے تھے بڑے اباجان یعنی جناب مولانا سید محمد تقی صاحب مرحوم اور عم معظم جناب علامہ ہندیؒ اعلی اللہ مقامہ اور جناب جادید صاحب۔ مولوی سید علی غضنفر صاحب مرحوم۔ کاظم چچا یعنی جناب مولانا سید کاظم حسین صاحب مرحوم نھنے چچا یعنی جناب حکیم سید علی صاحب آشفتہ مرحوم اور للن بھائی یعنی جناب مولانا سید اولاد حسین صاحب شاعر مرحوم۔

گزشتہ بزرگان و احباب میں جناب حکیم بنے آغا صاحب فاضل

مرحوم، حکیم احمد حسین صاحب۔ حکیم مظفر حسین صاحب۔ حکیم تپن صاحب کلن صاحب۔ امداد حسین صاحب، الفت حسین صاحب، مرزا محمد اصغر صاحب مرحوم اور بہت سے مردہ اور زندہ احباب جو وہاں یاد آتے تھے سب ہی کی طرف سے ایک ایک طواف ہوتا رہا۔

یہ تھے وہاں کے مشاغل جن کی بدولت مسافرت اور تنہائی میں جبکہ کوئی بھی شناسا موجود نہ تھا ڈیڑھ مہینہ گزارا جا سکا۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

متفرق حالات

نظامِ مراسلت خطوط کا نظام اس پورے سفر میں بہت خراب رہا اور اس سلسلہ میں بڑی پریشانی رہی۔

مدینہ منورہ میں دس دن اسی دوا دوش میں گذرے کہ روزنہ بہاالدین معلم کے یہاں جانا اور دفتر میں خط کا تلاش کرنا اور بے نیل و مرام واپس آنا جس میں آخری دن بس حضرت الٰہ آباد کا مولوی نعیم الحسنین صاحب کے یہاں کا خط ملا جس سے بالواسطہ لکھنؤ کی خیریت بھی معلوم ہوگئی، بس والسلام۔ اب مکہ معظمہ میں چونکہ یہاں کا پتہ ہم نے ہندوستان والوں کو محلہ جیاد۔ مکان عبد الہادی سکندر کا لکھ دیا تھا اور ہمارا قیام محلہ قرارہ میں سید احمد صحرہ کے یہاں ہے، لہٰذا آنے کے بعد دوسرے ہی دن عبد الہادی سکندر کا مکان ڈھونڈھ کر وہاں خط کو

دریافت کیا۔ پھر ہر دوسرے تیسرے دن وہاں جانے کا سلسلہ جاری رہا۔ خود عبد الہادی صاحب تو ابھی ہندوستان ہی میں تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی جو مکہ معظمہ میں رہتے ہیں ملے تھے اور بہت اخلاق سے پیش آئے، انہی سے برابر دریافت کرتے تھے اور جواب منفی میں ملتا تھا۔ شاید مجموعی قیام کی مدت میں بس ایک خط گھر کا ملا اور باقی تین چار خط ابن حسین صاحب۔ حیدر حسین صاحب اور رضی الدین حیدر صاحب کے اور دو ایک پرچے پیام اسلام کے۔ حالانکہ بعد میں معلوم ہوا کہ اس مدت میں میرے نام سرفراز بھی جاتا رہا مگر سرفراز کا ایک پرچہ بھی نہیں ملا اور پیام اسلام کے بھی زیادہ تر پرچے نہیں ملے۔

اس کے علاوہ خطوط کی طرف سے سناٹا ہی محسوس ہوتا رہا اور پھر ہندوستان آکر معلوم ہوا کہ ہمارے خطوط بھی یہاں شاذ و نادر ہی پہونچے اور آخر میں تو ہمارے واپس آنے کی مدت پہلے سے یہاں کوئی اطلاع ہی نہ تھی اور ہمارے مخصوص کرم فرما یا کتنا ایلت نے ایسی خبریں اڑا دی تھیں جن سے ہمارے سب اعزا و احباب کو بڑا تردد و انتشار پیدا ہو گیا تھا یہ سب نتیجہ ہے ڈاک کے نظام کی برہمی کا جو حجاز میں بھی ہے اور کسی حد تک ہمارے ہندوستان میں بھی ہے۔

ایک بڑے مخصوص ہمارے دوست کا رجسٹری شدہ لفافہ پہونچا جسے بڑے اشتیاق سے کھولا تو سخت کوفت ہوئی، اس میں گھر کی اعزا

واحباب کی خیر خبر تو کچھ تھی نہیں، مہاراجکمار صاحب بہادر محمود آباد سابق صدر ادارۂ یادگار حسینی کا وہ بیان تھا جو انھوں نے انوا عنظ میں میری مخالفت میں نکالا تھا۔ ہمارے دوست نے اسے ہمارے لیے اتنا اہم محسوس کیا کہ اسے رجسٹری سے بکہ معنظہ بھیجا کہ یہ بڑی زہریلی چیز نکلی ہے اس کا جواب بہت ضروری ہے، وہیں سے لکھ کر بھیج دیجئے۔

حالانکہ میرے دوست کو خوب معلوم ہے کہ میں ایسا سخت جان ہوں کہ ایسے کتنے ہی زہر پی چکا ہوں اور ڈکار بھی نہیں لی۔ میں نے انھیں خط لکھا جو مجتنانہ حدود میں کافی تلخ تھا۔ میں نے لکھا کہ آپ کے خط سے مجھے توقع تھی کہ آپ اپنی اور اپنے گھر کی خیریت لکھیے گا۔ نواب محسن صاحب کا حال لکھیے گا کہ انھیں وہ از حال سخت بیمار چھوڑ کر آیا تھا وہ اب کیسے ہیں۔ میرے گھر کی خیریت لکھیے گا۔ علی محمد کا حال لکھیے گا یہ سب وہ باتیں ہیں جن کے جاننے کی یہاں مجھے فکر ہے۔ آپ نے یہ سب کچھ تو لکھا نہیں اور میری مخالفت کا دکھڑا لے کر بیٹھ گئے اور اس کے سلسلہ کا مضمون بھیج دیا ایسے حالات جن سے میں یہاں بے خبر رہنا چاہتا ہوں اور میں اس قسم کے مضامین کا جب موجود ہوتا ہوں وہاں تو کبھی جواب ہی نہیں دیتا۔ چہ جائیکہ اب جب ہم سات سمندر پار ہوں تو اس کا جواب لکھوں گا؟

خیر اس کے بعد شاید دوسرے ہی دن حیدر حسین صاحب کا خط پہنچا تو اس میں وہ سب باتیں تھیں جنھیں میں چاہتا تھا۔ نواب محسن صاحب کی خیریت لکھی تھی کہ اب ماشاءاللہ اچھے ہیں۔ گھر کی خیریت لکھی تھی اور لکھا

تھا کہ میں خود وہاں گیا اور علی محمد سلمہ سے خود ملاقات کی۔ وغیرہ وغیرہ
کتابوں کا قصہ تو اس سفرنامہ کے دیکھنے والوں کو

امید کی ایک کرن

معلوم ہے ہی اور بہت سے لوگ اس کے نیجہ کے منتظر ہیں۔

ایک دن صفا و مروہ کی طرف کے ایک بازار سے ہم گزر رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی۔ یا شیخ۔ یا شیخ۔ مڑ کر دیکھا تو وہی کلکم افیر یا نجدی مولوی جس نے میری کتابیں رد کی تھیں اور وہ سب کہا تھا کہ قرآن "متحرف وفقہ باطل وغیرہ۔ وہ ایک دوکان پر بیٹھا ہے اور مجھے پکار رہا ہے۔ میں گیا تو اس نے اپنی عربی زبان میں کہا۔

"آپ نے پھر اپنی کتابوں کی خبر نہیں لی؟" میں نے کہا:۔

"میں خبر کیا لیتا! میں نے تو آپ سے کہہ دیا تھا کہ میں مدینہ منورہ جا رہا ہوں۔ وکیل کے آدمی سے آپ نے کہا تھا کہ وہ خبر لے اس نے خبر نہیں لی ہوگی۔ کہا اچھا تو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کی کتابیں سب دیکھ لی گئی ہیں۔ ان میں سے کچھ تو آپ ابھی چاہیے تو منگوا لیجئے بھیجے گا۔ اسے وہ دے دی جائیں گی اور کچھ جانے کے اندر آپ کو نہیں ملیں گی۔ جب آپ جانے لگیے گا تو لے بھیجے گا۔ اپنے ساتھ واپس لے جائیگا۔

میں نے شکریہ ادا کیا اور کہا بہت خوب اور اس سے ذرا ڈھارس بندھی کہ اب کتابیں ضائع نہیں ہوں گی۔ سب مل جائیں گی۔

معلمین کا رویّہ مکہ معظمہ کے معلمین میں عموماً حجاج کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں پائی جاتی، صرف ایک عبدالہادی سکندر اس سے مستثنیٰ معلوم ہوئے اور انھوں نے مجھے بھی جدہ کے قیام کے موقع تک آسانیاں بہم پہونچائیں مگر اس کے بعد میں اس مجبوری سے کہ وہ سنی معلم ہیں اور مجھے شیعہ معلم کے یہاں قیام ضروری تھا سید احمد صحرہ کے یہاں آگیا۔ مجھے اب ذاتی طور پر صحرہ ہی کا تجربہ ہوا۔ اب یہاں آکر مجھے عبدالہادی سکندر سے کوئی آئینی تعلق تھا بھی نہیں اور پھر وہ خود مکہ معظمہ میں اب تک موجود بھی نہ تھے چونکہ وہ خود حاجیوں کے بھیجنے کے انتظامات کی وجہ سے آخر میں آنے کا ارادہ رکھتے تھے اور اطمینان تھا کہ ہوائی جہاز سے پہونچ جائیں گے مگر عین وقت پر حکومت حجاز نے اس اطلاع پر کہ ہندوستان کے بعض اطراف میں ہیضہ پھیلا ہوا ہے۔ ہوائی جہاز کا راستہ بند کر دیا اب یہ بڑے پریشان ہوئے تو انھوں نے نجد کے شہر ظہران کا ٹکٹ لے لیا جہاں ہوائی اڈہ ہے وہاں جو پہنچے تو قرنطینے میں روک لیے گئے اور اس لیے بس یہ چند دن پہلے حج سے مکہ معظمہ پہونچ سکے۔

بے شک انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو جو مکہ میں تھے میرے آنے کی اطلاع دے دی اور اپنا تعلق بھی مجھ سے لکھ دیا، چنانچہ وہ بڑے اخلاق سے ملے اور ہر ایک سے میرا تعارف یوں کراتے تھے کہ یہ میرے بھائی عبدالہادی کے استاد ہیں اور مجھ سے کہا کہ اگرچہ آپ کا

قیام ہمارے یہاں نہیں ہے مگر جو کام ہو وہ مجھ سے کہیے گا یہاں تک کہ
روپے کی اگر ضرورت ہو تو تکلیف نہ کیجیے گا۔ مجھ سے کہیے گا میں انتظام
کر دوں گا مگر ان کو بھی میں نے لفظی آدمی پایا یعنی کتابوں کے متعلق جو
اب وہاں کے افسر نے مجھ سے کہا کہ کسی کو بھیج دیجیے تو کچھ کتابیں ابھی مل
جائیں گی تو اب میں یہاں کس سے کہتا اور کس کو بھیجتا، خود میں فقہ امامیہ کے
رو سے قبل حج حدود حرم سے نکل نہیں سکتا۔ اب معلمین ہی تھا ہیں جن کے
وکلاء جدہ میں موجود ہیں اور برابر یہاں سے ان کے آدمی تقریباً روز
ہی آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کو اس میں کوئی دشواری ہی نہیں ہو سکتی
کتابوں کا قصہ اور پوری روئداد میں سب کو سناتا ہی رہتا تھا چنانچہ اپنے
معلم سید احمد حمزہ کو بھی قصہ سنا چکا تھا اور ان سکندر صاحب کو بھی مگر
اب جو ایسی صورت پیدا ہوئی کہ کچھ کتابیں آ جائیں تو ان میں سے جس
سے بھی کہا اس نے ہاں ہاں کر دیا مگر کیا قطعاً کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ عبدالہادی
سکندر کے بھائی نے تو غضب کیا کہ ہمارے دوست اعجاز صاحب ایم اے
جن کا تذکرہ بمبئی کے حالات میں ہو چکا ہے یہ اس وقت تو رہ گئے تھے
پھر بعد میں امیر الحج بنا کر ایک جہاز سے بھیج دیے گئے اور یہ مکہ معظمہ
پہونچے اور احکام عمرہ بجا لا کر ایک دو دن کے بعد پھر جدہ چلے گئے اگر
سکندر صاحب موصوف ان سے ذکر کر دیتے تو کسٹم آفس سے جو کتابیں
دی جاتیں وہ لے لیتے اور پہونچا دیتے مگر موصوف نے ان سے کوئی ذکر
نہ کیا بعد میں جب میں خط کے دریافت کرنے کو گیا تو مجھے اعجاز صاحب

کے پہونچنے کا حال معلوم ہوا جس پر گویا میں نے سر پیٹ لیا۔ غرض یہ کہ میں تلملا تلملا کر رہ گیا اور ان معلموں میں سے کسی نے اتنا نہ کیا کہ وہ جدہ سے کتابیں جتنی ملتیں منگا دیتا۔

انجینا صاحب جدہ میں بیمار پڑ گئے اور اس کے بعد حج سے چند دن پہلے مدینہ منورہ سے ہو کر مکہ معظمہ آئے تو مدینہ سے کچھ خطوط جو میری روانگی کے بعد پہونچے تھے اور وہاں پڑے ہوئے تھے اپنے ساتھ لائے اور مجھ سے ملاقات ہوئی تو وہ خطوط انھوں نے مجھے دیے اور کتابوں کے لیے افسوس کیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا تو کوئی دقت ہی نہ تھی میں اپنے ساتھ لیتا آتا مگر اب تو "تیر از کماں رفتہ" تھا۔ پھر اب تو حج کے فوراً بعد ہی ہمیں خود واپسی کے لیے جدہ جانا تھا لہٰذا اب کسی کو بھیجنا بے کار معلوم ہوا۔

شناسا افراد اور احباب کا ورود

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں ۱۰ دن اس طرح گزرے کہ ایک بھی پہچاننے والا موجود نہ تھا اور اب مکہ معظمہ میں ڈیڑھ مہینے کے قریب اس طرح گذرا کہ کوئی آدمی شناسا نہ تھا۔ صرف ایک عبد الہادی سکندر صاحب کے بھائی سماعی طور پر کچھ جانتے تھے جو ہمارے ہر وقت کے ساتھی تھے وہ پہلے تو ماسٹر صاحب اور سید صاحب کہتے تھے۔ اب جا کر مولوی صاحب اور مولانا صاحب کہنے لگے تھے مگر اب حج سے چند روز قبل ایک دن حرم جانے میں بازار

سے گزر رہا تھا کہ عقب سے آواز آئی "قبلہ وکعبہ"! مجھے حیرت ہو گئی کہ یہاں "قبلہ وکعبہ" کہنے والا کون پیدا ہو گیا؟ پلٹ کر دیکھتا ہوں تو ایک مکان پر جمشید حسین صاحب وکیل (سابق مقیم انبالہ جو شاید اب ملتان میں سکونت رکھتے ہیں) نظر آئے جو لپک کر بڑھے اور مصافحہ کیا، میں نے کہا اچھا! تمام شیعیانِ پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لیے آپ تشریف لائے ہیں؟ پھر جائے قیام کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا ہمارے محل قیام کے سامنے ہی عبداللہ صہرہ کے یہاں قیام ہے پھر تو برابر حرم میں ساتھ ہوتے رہے اور اکثر یوں بھی میرے پاس تشریف لاتے رہے۔

غالباً اس کے بعد دو دن نہ گزرے تھے کہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا ایک دفعہ دروازے پر کمرے کے "قبلہ وکعبہ" کی آواز آئی باہر نکلتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ جامۂ احرام میں لپٹے لپٹائے نواب محمد حسین صاحب کوثر (بازار رام نرائن ہاٹ کانپور) اور شبیر حسین صاحب (مقبرہ گوال ٹولی کانپور) اور محمد حیدر صاحب ہمارے لکھنؤ کے کٹرہ ابوتراب خاں کے باشندے اور میرے ساتھ مسجد میں نماز جماعت میں اکثر شریک ہونے والے یہ تینوں آدمی کھڑے ہیں۔ بڑھ کر ان سب سے بغلگیر ہوا اور وہ خوشی ہوئی جسے لفظوں میں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوا کہ وہ تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ آئے ہیں اور ہمارے پاس کے کمرے میں ٹھہرائے گئے ہیں مگر اس میں ڈھونڈھنے کو دوسرے معلم کے مکان پر کافی دور تک ہو آئے بعد میں کسی نے پوچھا آپ کسے پوچھتے ہیں۔ انھوں نے کچھ حلیہ بتایا تو انھوں نے کہا

maablib.org

واہ واہ، وہ تو بالکل آپ کے جائے قیام سے متصل کمرے میں مقیم ہیں۔
اس کے بعد تو ان حضرات کا حج کے بعد تک تقریباً ہر وقت ساتھ رہا جس کے حالات مناسب موقعوں پر مناسک حج کی ادائی کے سلسلے میں بیان ہوتے رہیں گے [1]

ایرانیوں کا ہجوم اتنے عرصہ تک بڑی کوفت تھی کہ حج میں شیعہ نظر ہی نہیں آتے اور حقیقت میں یہ کمی سب سے زیادہ ہمارے ہندوستان و پاکستان میں ہے کہ پورے پاکستان سے سوا چند خوجوں کے اور ایک ہمارے دوست جمشید حسین صاحب وکیل کے کوئی بھی نہیں تھا یا چند وہ بلتستانی حضرات تھے جنھوں نے اپنا تعارف پاکستان کے لیے کرایا تھا اور پورے ہندوستان سے بس یہ تین آدمی تھے اور ایک مولوی محمد قاسم صاحب جو مولانا جعفر حسین صاحب مرحوم برادر نسبتی جناب سید ہادی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے صاحبزادے ہیں اور بمبئی کے چند خوجے صاحبان یا دو ایک اور ہوں جنھیں میں نے دیکھا نہ ہو۔ افریقہ سے ممباسہ وغیرہ کے کچھ خوجے صاحبان آئے تھے جو شاید ساٹھ ستر تھے۔ باقی والسلام۔ ایرانی اور عراقی ابھی تک نہیں آئے تھے اس لیے کہ حکومت حجاز نے کئی سال سے موٹروں کا راستہ بند کر دیا ہے۔ ایران و عراق کی موٹریں، معلوم ہوا بڑی لمبی ہوتی ہیں۔

---

[1] نواب محمد حسین صاحب کوثر کا سفرنامہ پیام اسلام میں شائع ہو چکا ہے۔

وہ مکہ معظمہ کے راستوں میں بڑی زحمت کا باعث ہوتی ہیں۔ تمام شیعہ معلمین کے چہرے اترے ہوئے تھے کہ ایرانی نہیں آئے بغیر ایرانیوں کے آئے ہوئے فقر رہتا ہے۔ تمام مکان خالی پڑے تھے۔ سناٹا تھا مگر حج کے چار پانچ دن پہلے سے ماشاءاللہ۔ ایرانی اور عراقی ہوائی جہازوں سے آنا جو شروع ہوئے تو بازاروں میں، حرم میں سڑکوں پر اور گلیوں میں ہر طرف ایرانی ہی ایرانی نظر آنے لگے اور انہی میں کچھ عراقی حضرات بھی۔ اب تو حرم کے اندر کئی دفعہ شیعوں کی نماز جماعت بھی نظر آئی اور محسوس ہوا کہ حج کے موقع پر شیعوں کی آبرو رکھنے والے یہ ایرانی ہی ہیں اور بس، جزاہم اللہ خیرا۔

پھر ظاہر ہے کہ ہوائی جہازوں پر تو کافی مالدار حضرات ہی پہونچتے ہیں اگر موٹروں کا راستا کھلا ہوا ہو تو اس سے بدرجہا زیادہ افراد نظر آئیں۔

اب ان آنے والوں میں جو عراق سے ہوائی جہاز پر آئے تھے، مولانا سید عبدالمہدی صاحب بھی نظر آئے۔ یہ برادر معظم جناب عمدۃ العلماء مدظلہ کے رشتہ میں چچا ہوتے ہیں اور برادر نسبتی بھی ہیں بڑے مقدس و متورع ہونے کے ساتھ ذی علم بھی ہیں ہمارے والد ماجد اعلی اللہ مقامہ کے شاگرد ہیں اور ہم سے بڑی محبت فرماتے ہیں۔ جب ہم مع متعلقین کربلائے معلی گئے تھے تو ممدوح نے ہمارے لیے سہولتیں فراہم کرنے میں بڑی زحمت برداشت کی تھی، ممدوح

بھی ملاقات ہو کر بڑی خوشی ہوئی۔ ان کا یہ دوسرا سفر ہے۔ ایک مرتبہ اس سے پہلے بھی وہ حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے ہیں۔

ساتھیوں کی حالت

احباب کے پہونچنے کے بعد سے اب ہمارا ساتھ خوجے صاحبان کا برائے نام رہ گیا ہے چیز ان حضرات کو کچھ محسوس بھی ہوتی ہوگی۔ دو ایک دفعہ کہا بھی کہ اب مولوی صاحب کیوں ملنے لگے۔ اب تو ان کے یہاں کے آدمی آگئے مگر ظاہر ہے کہ ایک تو فطری طور پر صحبت ناجنس، اضطراری ہی طور پر برداشت کیجاتی ہے۔ اختیار تو نہیں۔ بجز خدمت خلق کے نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو وہ لوگ اب پرانے ہو چکے تھے۔ راستوں وغیرہ سے خوب واقف ہوگئے تھے۔ کچھ بات چیت سے بھی مانوس ہوگئے تھے، وہ تو ہمیں بازار وغیرہ اب شوقیہ یا وضع کی پابندی کے طور پر لے جاتے تھے اور یہ حضرات ابھی بالکل نئے تھے، ان کو سہارے کی زیادہ ضرورت تھی۔ لہذا اب "ساتھیوں" کی لفظ جب آئے تو اس سے مراد یہی حضرات ہوں گے۔

ان میں سے محمد حمید صاحب تو جس دن سے مکہ معظمہ پہونچے، گرمی کے مارے نڈھال تھے۔ انھوں نے کھانا تو بالکل چھوڑ ہی دیا تھا صرف کسی کسی وقت ستو پر گذارا کرتے تھے اس لیے ضعف اتنا ہو گیا کہ کہتے تھے راستا چلنے میں چکر آتا ہے۔

شبیر حسین صاحب جب مکہ معظمہ پہونچے ہیں تو دو تین دن ماشاء اللہ اتنے زوروں پر تھے کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ لینے کا پر لطف معرکہ

صبر کیا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ شرعاً حجر اسود کا بوسہ لینا طواف کے ہر چکر میں مستحب ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب اس میں دھکم دھکا کی ضرورت نہ ہو۔ ورنہ ہاتھ حجر اسود تک پہونچا کر مس کرے اور منھ پر پھیر لے۔ پھر اس کے بعد کی ایک منزل یہ ہے کہ بس دور سے ہاتھ حجر اسود کی طرف پھیلا کر اشارہ کر دے اور یہ اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیر لے ہم ڈیڑھ ماہ پہلے پہونچے تھے لیکن ہمیں حجر اسود کو بوسہ لینے کا شاید دو ہی چار دفعہ شروع میں موقع ملا اور اس کے بعد تو پھر ایک دفعہ بھی ممکن نہیں ہوا بلکہ وہ درمیانی منزل ہوتی رہی اور آخر میں تو بس اس تیسری شکل پر اکتفا ہوتی تھی مگر اکثر عوام بالخصوص حبشی وغیرہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک حجر اسود کو بوسہ نہ لیا بلکہ اس سے لپٹے نہیں۔ اس وقت تک حج ہوا ہی نہیں چاہے اس میں چوٹ آئے اور چاہے دھکے کھانے پڑیں اور چاہے ہم خود کسی دوسرے کو دھکا دیدیں اور تکلیف پہونچا دیں۔

بہر حال یہ عبادت کا ایک لازمی جزء ہے جیسے کسی نہ کسی طرح انجام پانا چاہیے چنانچہ اس کی وجہ سے آخری دنوں میں حجر اسود کے پاس وہ دھکم دھکا ہوتا ہے جو قابل بیان نہیں اور سعودی حکومت کی طرف کا ایک سپاہی حجر اسود کے پاس کھڑا رہتا ہے جو مسلسل کوڑے برساتا رہتا ہے یہ کوڑے اس لیے نہیں ہوتے کہ ان کے نزدیک حجر اسود کو بوسہ دینا ناجائز ہو، حالانکہ اگر کسی ضریح مقدس کو بوسہ لینا ان کے

نزدیک شرک ہے تو اسے بھی شرک ہونا چاہیے مگر ایسا تضاد ان کی تعلیم اور عمل میں بہت ہے۔

بہر حال یہ کوڑے بوسہ لینے سے مانع ہونے کے لیے نہیں ہوتے بلکہ اس لیے ہوتے ہیں کہ اب ہٹو اور دوسروں کو موقع دو مگر حبش اور نائیجریا وغیرہ کے قد آور افریقی ان کوڑوں کی ایک بھی پروا نہیں کرتے۔ وہ اپنے کوڑے کھاتے جاتے ہیں اور حجر اسود کو جتنا دل چاہتا ہے جب تک چاروں طرف سے اپنے چہرے سے مس نہیں کر لیتے اور خوب بوسے نہیں دے لیتے چھوڑتے نہیں۔ ایسی صورت حال میں ہمارے ایسے آدمیوں کو تو دور ہی سے وحشت ہونے لگتی تھی اور تقریباً ایک مہینہ پہلے سے یہ حالت تھی کہ ہم اس کا قصد ہی نہیں کرتے تھے کہ حجر اسود کے پاس جائیں۔ چہ جائیکہ ہمارے شبیر حسین صاحب وغیرہ تو اسوقت پہونچے جب مجمع حاجیوں کا پورا ہو چکا تھا۔ حج کو تین ہی چار دن باقی تھے مگر ایک دن شبیر حسین صاحب جو حرم سے آئے تو بڑے خوش کہ میں نے آج حجر اسود کو بوسہ دے لیا ہم سب نے مشتاق ہو کر پوچھا یہ کیونکر؟ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا ایک لمبا تڑنگا حبشی جو اپنے طول قامت کی وجہ سے سیدھا کھڑا ہو تو حجر اسود سے بہت اونچا ہو جائے اس لیے مجبوراً حجر اسود سے ذرا دور کھڑے ہو کر جھکا ہے اور اپنی کمر کو خم دیے ہوئے حجر اسود پر منہ رکھے ہے اور (ان کے الفاظ یہ ہیں کہ) وہ حجر اسود کو زبان سے چاٹ رہا ہے کسی طرح چھوڑتا ہی نہیں

سپاہی اوپر سے کوڑے مار رہا ہے مگر وہ ان کوڑوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ بس میں نے اس کے طول قامت سے فائدہ اٹھا کر کیا کیا کہ اس کی ٹانگوں کے پاس سے پیٹ کے نیچے گھس گیا اور وہاں جا کر اپنے سر کی ٹکر اس کے پیٹ میں دی جس سے اس نے گھبرا کر حجر اسود سے منھ ہٹا کر یہ دیکھنا چاہا کہ یہ کون ہے؟ میں نے جھٹ سے حجر اسود کا بوسہ لے لیا اور فوراً پیٹ کے اندر سے نکل آیا۔ اس طرح کوڑے اس کی پیٹھ پر پڑے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کی سعادت میں نے حاصل کی۔

کہاں تو ان کی ماشاء اللہ یہ زور آوری اور یہ زندہ دلی تھی اور کہاں دو چار دن میں وہ حالت ہو گئی جس کا بیان آئندہ آئے گا کہ وہ دوران حال وصیتیں کر رہے تھے اور تقریباً نقل و حرکت سے معذور تھے

نواب محمد حسین صاحب کو شروع ہی سے کچھ متاثر تھے اور بعد میں ان کی دوران حال جو کیفیت ہو گئی اس کا تذکرہ بھی عنقریب آئے گا۔

ہاں یہ قدرت خدا تھی کہ محمد حیدر صاحب جو پہلے سب سے زیادہ نڈھال تھے وہ اپنے اسی ایک عالم میں رہے اور بعد میں دوسروں کے تیماردار ثابت ہوئے۔ ممکن ہے کہ ان کا غذا کا چھوڑ دینا جو ضعف و اضمحلال کا سبب تھا وہی بفضل الٰہی مستقل طور پر ان کا تحفظ کا ظاہری سبب ہوا ہو۔

احرام حج

اب ۸ ذی الحج ہو گئی ہے یہ روز ترویہ ہے اس لفظ کے معنی ہیں غور و تامل کرنا۔ اس دن کو یوم ترویہ اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ خواب دیکھ چکے تھے کہ اپنے فرزند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں اور اس کے بعد آج کا دن درمیان میں گزرا اس طرح جیسے کہ وہ اس کے عمل میں لانے کی صورتوں پر غور و تامل فرما رہے ہیں۔

اب کل کا دن روز عرفہ ہوگا۔ یہ عرفان سے ہے جس کے معنی پہچاننے کے ہیں یعنی اس دن پورا لائحہ عمل مرتب ہو جائے گا کہ کس طرح وہ فرزند سے اس کا تذکرہ فرمائیں اور کس طرح حکم الٰہی کی تعمیل فرمائیں؟

حضرات اہل سنت تو کئی دن سے برابر عرفات کے لیے جارہے تھے مگر ہمارے یہاں بہتر یہ ہے کہ حج کا احرام روز ترویہ باندھا جائے[1] چنانچہ آج دوپہر کے پہلے غسل کیا اور پھر عام لباس اتار کر جامۂ احرام پہنا۔ وہی ایک کپڑا تہ بند یا لنگی کے طور پر اور ایک اوپر سے چادر کے طور پر۔

نواب محمد حسین صاحب کوثر وغیرہ کی رائے ہوئی کہ ایک تصویر اس طرح کھینچنا چاہیے چنانچہ ہم سب نے اس لباس میں بلا فوٹو گرافر کے یہاں گئے۔ ابھی احرام باندھا تو تھا نہیں فقط لباس احرام پہنے ہوئے تھے۔ دو تین فوٹو گرافروں کے یہاں گفتگو کر کے ایک کے یہاں جیسے ان حضرات نے پسند کیا، ایک اجتماعی عکس اترا جس میں ہم ہوں۔ نواب صاحب ہیں، شبیر صاحب ہیں محمد حیدر صاحب ہیں۔ یہ سب ہندوستانی اور ایک جمشید حسین صاحب وکیل پاکستانی۔

مجھے بذات خود چونکہ اس فوٹو گرافر سے بہتر دوسرا معلوم ہوا تھا

---

[1] احرام حج کا وقت وسیع ہے اور احوط یہ ہے کہ روز ترویہ سے پہلے مکہ سے باہر نہ جائے اور مضیق ہو جاتا ہے وقت جب اس سے تاخیر کر دینے میں پھر وقوف عرفات اور روز عرفہ ہاتھ نہ لگے گا اور روز ترویہ اس کا واقع کرنا مستحب ہے۔ (تاج العلماء)

اس لیے اس اجتماعی تصویر کے بعد میں نے دوسرے فوٹو گرافر کے یہاں جاکر ایک تنہا تصویر کھنچوائی جس کے پس منظر میں خانۂ کعبہ بھی ہے، یہ تصویر بحیثیت یادگار مجھے زیادہ پسند ہے۔

اب ظہر کا وقت قریب آگیا تھا، اس لیے ہم لوگ سب حرم پہنچ گئے اور نماز ظہرین کے بعد جبکہ زمین کے پتھر اتنے تپ رہے تھے کہ پیر نہیں رکھے جاتے تھے طواف اور نماز طواف ادا کر کے میزاب کے نیچے حج کا احرام باندھا یعنی اس نیت سے کہ "احرام حج کا باندھتا ہوں واجب قربۃً الی اللہ" وہی چار لبیک والے الفاظ زبان پر جاری کیے جو احرام عمرہ کے بیان میں گزر چکے ہیں۔ یہاں پھر سن لیجیے۔ لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک لبیک

جناب تاج العلماء نے اپنے رسالہ "حجۃ الاسلام" میں لکھا ہے کہ:۔
"تصحیح الفاظ واجب ہے اگرچہ بتعلیم کسی اور کے اور صورت تعذر میں ترجمہ پر اکتفا ہو سکتی ہے۔"

ہمارے ساتھ والے سب حضرات نے الفاظ لبیک کے ساتھ ساتھ زبان پر جاری کیے۔ اس طرح سب کا احرام بندھ گیا اس کے بعد سب وہی پابندیاں عائد ہو گئیں جو عمرہ تمتع والے احرام کے ذیل میں بیان کی جاچکی ہیں۔

اب ظہرین کی نماز تو ہو ہی گئی تھی۔ ہم لوگ مکان پر آ گئے اور

چونکہ معلوم ہوا تھا کہ تین یا چار بجے سہ پہر کو منیٰ کے لیے روانگی ہو جائے گی۔ اس لیے دو پہر کو لیٹے بھی نہیں اور سامان باندھ کر کے منتظر بیٹھ گئے کہ کب روانگی ہوتی ہے۔

ہمارے محلہ میں تمام شیعہ معلمین ہیں اور یہاں سب شیعہ حجاج ٹھہرتے ہیں۔ ہمارے یہاں احرام کی حالت میں بحالت سفر سایہ ہونا سر پر ناجائز ہے جس کا ذکر عمرہ کے بیان میں ہو چکا ہے۔ مدینہ منورہ سے آنے میں تو ہم دو چار ہوتے ہیں اس لیے ہمارے لیے کھلی ہوئی گاڑی کا انتظام نہیں ہوتا جس کے لیے ہم لوگوں کو مکہ معظمہ میں آنے کے بعد جرمانہ دینا پڑا تھا، یعنی قربانی دینا پڑی تھی مگر اب منیٰ اور عرفات تو وقت واحد بہت لوگ جانے والے ہوتے ہیں لہذا ہمارے معلمین ہمارے لیے ایسی لاریوں کا انتظام کرتے ہیں جن میں چھت نہ ہو چنانچہ سہ پہر سے بکثرت لاریاں آگئیں اور روانہ ہونا شروع ہو گئیں۔ ہم لوگ پا در رکاب جامہ احرام پہنے بیٹھے تھے اور اسباب جو منیٰ وغیرہ لے جانے کا تھا وہ نیچے پہونچا دیا مگر ہماری باری کسی طرح نہ آتی تھی۔ اگر پہلے سے صحیح وقت معلوم ہوتا تو کاہے کو یہ پریشانی اٹھانا پڑتی کہ اس دھکڑ میں نہ کیا جانیں کب ہماری پکار ہو جائے کھانے تک کا کوئی انتظام نہ کر سکے اور رات یونہی گزارنا پڑی۔

معلمین اور ان کے آدمیوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ در پر کوئی نظر بھی آیا تو اسے اتنے حواس نہ تھے کہ وہ بات سنتا اور جواب دیتا

سب ایرانیوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے اس لیے کہ ان سے پیسہ زیادہ ملتا ہے۔

نماز مغربین بڑی بے اطمینانی کے ساتھ ہوئی۔ اور کہیں دس بجے رات کے قریب ہم لوگوں کو روانگی کا آرڈر ملا۔

فیصلہ یہ تھا کہ رات منیٰ میں بسر کریں گے جو یہاں سے جانے میں عرفات کے راستے میں پڑتی ہے پھر صبح ہونے کے بعد عرفات جائیں گے شرعاً یہی مستحب بھی ہے۔ جناب تاج العلماء فرماتے ہیں :۔

" راہِ عرفات میں جب منیٰ میں پہونچے تو شب عرفہ وہیں بسر کرے۔ استحباباً اور مجھے بسبب چند اعذار کے بیتوتیت منیٰ کی نوبت نہیں پہونچی بلکہ میں متصل عرفات کو چلا گیا (حجۃ الاسلام)

خیر انھیں تو جیسا لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کچھ اپنے ہی اعذار تھے ہم لوگوں کو منیٰ میں شب گزاری کا یوں موقع نہیں مل سکا کہ ہم بولتے "مردہ بدست زندہ" تھے یعنی معلم کے رحم و کرم پر چنانچہ ہمارا خیال تھا کہ رات کو منیٰ میں رہنا ہوگا مگر منیٰ پہونچ کر ذرا دیر کے لیے موٹر رکا سامنے روشنی نظر آرہی تھی، معلوم ہوا کہ یہ مسجد خیف ہے جو منیٰ میں واقع ہے مگر معلوم ہوا کہ معلم کی طرف سے اس جگہ قیام کا پروگرام نہیں ہے اور اسی وقت عرفات جانا ہوگا۔ اس لیے فوراً روانہ ہوگئے اور تقریباً نصف شب کو یا اس کے بعد عرفات پہونچے۔

عرفات میں ہمارا خوجوں کا ساتھ چھوٹ گیا تھا بمبئی اور باندرہ دونوں جگہ کے خوجوں نے مل کر معلم سے دو خیموں کا انتظام کر لیا تھا جس میں ایک میں مرد ہوں اور ایک میں عورتیں اور ہم چار یوپی والے ایک جگہہ تھے۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

وقوف عرفات

خیال تھا کہ موٹر والے کو پورے طور پر معلوم ہوگا کہ ہمیں کہاں ٹھہرنا ہے یا پہونچ کر وہاں معلم کا کوئی آدمی ملے گا جو بتلائے مگر یہاں جو پہونچے ہیں رات بھی تاریک تھی۔ حالانکہ نویں شب کو اس وقت چاندنی ہونا چاہیے مگر گردوغبار تھا جو بھی سبب ہو کہ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ موٹر جاکر ایک جگہ رک گیا۔ معلوم ہوا کہ عرفات پہونچ گئے۔ مگر اب کدھر جائیں؟ وہاں نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد اور موٹر والے کو بھی کچھ پتہ نہیں تھا۔

ہمارے محمد حیدر صاحب اتر کر پکارنے لگے۔ این این سید احمد صحرہ یہ " این این" علا انھوں نے یا ابطال الصفا والی روایت کا یاد کر رکھا ہے اور چونکہ وہاں دو دفعہ یہ لفظ آتی ہے۔ این،

این حبیب، این مظاہر۔ این این مسلم بن عوسجہ۔ اس لیے وہ دو ہی دفعہ این کہکر آواز دیتے تھے اور اب معلوم ہوا کہ مجالس عزا کا ایک فیض یہ بھی ہے کہ ہمارے عوام کچھ نہ کچھ عربی سے واقف ہو جاتے ہیں۔

یہ بیچارے ہر طرف پکار آئے مگر وہاں سید احمد صحرہ ہوں تو بولیں، شہر خموشاں کا عالم باقی رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد موٹر ڈرائیور کو تلاش سے خوبحول والاخیمہ تو مل گیا اور ہم لوگوں کے لیے پتہ نہ چلا۔ مجبوراً وہیں ایک خالی چھولداری لگی ہوئی تھی اس میں بستر بچھا لیے اور جتنی رات باقی تھی وہ گذار دی، صبح ہوئی تو سید احمد صحرہ کے آدمی نظر آئے اور انھوں نے ہمیں ایک خیمہ بتلا دیا جس میں ہم لوگ منتقل ہو گئے۔

عرفات میں قیام حج کا اہم ترین جزو ہے بلکہ ایک نظریہ کے مطابق اصل حج یہی ہے۔ باقی سب مقدمات اور لواحق حج ہیں۔ اسی لیے جب عرفات میں وقوف کے دن یعنی روز عرفہ جمعہ ہو، تب اسے جمہور کی اصطلاح میں "حج اکبر" کہا جاتا ہے۔

یہ وقوف جو رکن حج ہے بس نیت کے ساتھ ظہر سے مغرب تک وہاں رہنا ہے، خواہ نمازیں پڑھتا رہے یا بیٹھا ہوا تلاوت قرآن کرتا رہے یا خاموش لیٹا رہے یا باتیں آپس میں کرتے رہیں۔ اس کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

ہمارے ساتھیوں کا حال پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ محمد حیدر صاحب نے تو مکہ پہونچتے ہی گرمی کے مارے کھانا چھوڑ دیا تھا اور نیم جان ہو گئے تھے۔

شبیر حسین صاحب شروع میں تو اتنے زوروں پر تھے جس کا بیان پہلے ہو چکا مگر بعد میں شدید طور پر متاثر ہوئے جس کا ذکر آئے گا نواب محمد حسین صاحب کو تو پر بھی پہلے اتنا زیادہ اثر نہیں تھا مگر عرفات میں پیڑوں کے نیچے گرم ریگستان کی زمین اوپر سے تمازت آفتاب، چھولداری یا خیمہ میں چاروں طرف سے لو کے تھپیڑے، غنیمت ہے کہ جس کا نام لوہوتا ہے اور جس کا اکثر حاجیوں کو سابقہ پڑتا ہے وہ اب کی سال نہ تھی پھر بھی گرم ہوا تھی اسی سے عرفات میں دن بھر یہ عالم رہا کہ ایک طرف نواب سید محمد حسین صاحب لیٹے ہیں اور ایک طرف شبیر حسین صاحب اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے "اف" اور "ہائے" اور "اب دم نکلا" کی صدائیں۔

محمد حیدر صاحب پہلے کمزور زیادہ تھے مگر یہاں انکی حالت نسبتاً بہتر رہی تھی ہیں قرآن مجید لیتا گیا تھا کچھ دیر تلاوت قرآن میں گذارا۔ کچھ نمازہ پڑھی اور باقی وقت ساتھیوں سے بات چیت یا اظہار ہمدردی میں گذرا۔ غرض مجھ پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا، یوں ایک دن قبل سے میری مکہ معظمہ ہی میں یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ ہونٹ بالکل خشک تھے۔ اور بار بار پیاس لگتی تھی، وہی حالت آج بھی رہی۔

مزدلفہ یا مشعر الحرام

عرفات میں دن بھر یعنی غروب آفتاب کے بعد تک قیام ہونا چاہیے۔

جناب تاج العلماء لکھتے ہیں:-

"اگر کوئی غروب سے پہلے ہی عرفات سے چل کھڑا ہو دیدہ و دانستہ تو اس پر کفارہ میں ایک اونٹ عائد ہوگا کہ اسے وہ مکہ میں نحر کرے راہ خدا میں۔ روزعید اگرچہ وہ نادم ہو کے پھر عرفات پھر جائے اور وہاں غروب تک ٹھہرے اور خواہ اونٹ قیمت پر پاتا در نہ ہو تو وہ پے در پے اٹھارہ روزے رکھے (حجۃ الاسلام)

اب جب آفتاب غروب ہو گیا تو دسویں شب ذی الحج کی شروع ہو گئی۔ لاری پہلے سے کھڑی تھی۔ ہم لوگ سوار ہو کر مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے جس کا قرآنی نام "المشعر الحرام" ہے۔

رات یہاں گزارنا ہوتی ہے اور یہ وہ موقع ہے جہاں تمام فرق اسلامیہ اس پر متفق ہیں کہ مغرب کی نماز میں تاخیر کیجائے گی اور مشعر الحرام میں پہونچ کر مغرب اور عشا ایک ساتھ پڑھی جائینگی۔

اس مجمع علیہ مسئلہ سے صاف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نماز مغرب کا اول وقت غروب آفتاب پڑھنا بس افضلیت رکھتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اس کا اصل وقت بس اتنا ہی ہو ورنہ تاخیر کی صورت میں اسے قضا ہو جانا چاہیے اور ایک تو یہی اصول شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک عبادت یعنی حج کی خاطر دوسری انتہائی اہم عبادت یعنی نماز کے ترک کا حکم ہو جائے اور اس کے قضا کر دینے کو کہا جائے۔

پھر یہ کہ اگر ایسا ہوتا تو جب مزدلفہ میں اسے پڑھا جائے تو نیت قضا لازمی ہوتی حالانکہ علمائے اسلام اس نماز میں نیت قضا کرنے کو نہیں کہتے۔ اسی سے صاف ظاہر ہے کہ وقت نماز مغرب کا وسیع ہے۔

عام حالات میں اول وقت بجالانا افضل ہے لیکن حج میں فضیلت کا معیار بدل جاتا ہے اور فضیلت اسی میں ہو جاتی ہے کہ اسے مزدلفہ جا کر پڑھا جائے۔ چاہے اسمیں اتنی دیر ہو جائے کہ آدھی رات کے قریب وقت گذر جائے۔

ہم لوگ مغرب کے بعد عرفات سے روانہ ہوئے اور خیال یہی تھا کہ مزدلفہ جا کر نماز پڑھیں گے مگر راستے میں عجیب و غریب افتاد

گذر گئی جس سے مزدلفہ پہونچنے کے صبح تک کبھی لالے پڑ گئے تھے پھر نصف شب کے پہلے نماز مغربین وہاں ادا ہونے کی امید کہاں رہتی لہٰذا مجبوراً ہم لوگوں کو مغربین پہلے ہی ادا کر لینا پڑی وہ افتاد یہ ہے کہ ڈرائیور نے تھوڑی دور چل کر اس خیال سے کہ سڑک پر موٹروں کی کثرت ہے لہٰذا دیر میں پہونچنا ہوگا سڑک کو چھوڑ دیا اور پہلو کے میدان میں موٹر ڈال دی۔ یہ میدان کیا تھا ریگستان اس کے اندر موٹر کا ڈالنا تھا کہ ذرا ہی دیر کے بعد موٹر ریگ میں دھنس گئی اور گویا اس نے ایک قدم آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ پہلے ڈرائیور نے پیچھے ہٹا ہٹا کر آگے بڑھانے کی کوشش کی مگر بے سود آخر میں جتنے لاری پر سوار تھے ان سب کا حکم ہوکہ وہ اتر کر گاڑی ڈھکیلیں۔

ان سواریوں میں کوئی شہ زور نوجوان تو تھے نہیں خوجے صاحبان تھے جو زن و مرد دونوں تھے۔ ان کے علاوہ ہم تین ہندستانی تھے۔ بھلا ہم لوگوں کا وہ دیو ہیکل لاری کیا اثر قبول کرتی جب اس سے کچھ نہ ہوا اور اسی میں سے دو ایک گھنٹے گذر گئے تو ایک آدمی جو غالباً معلم سے تعلق رکھتا تھا دوڑ کر قریب کی بستی میں گیا جو یہاں سے کچھ فاصلہ پر تھی اور وہاں سے بالا کیپ والے موٹر کے لیے اطلاع دی تھوڑی دیر میں وہ لمبا سا موٹر آیا اور اب امید ہوئی کہ وہ بالا کیپی اس لاری کو ریگ سے نکال کر ہم لوگوں کو نجات دلائے گی مگر ریگ کی شدت نہ وہ بالا کیپی ہمارے موٹر سے صرف چند گز کے فاصلہ پر پہونچ کر خود بھی ریگ میں دھنس گئی اور اس طرح یہ کوشش

ناکامیاب ہو گئی۔

اب ڈرائیور اور وہی آدمی پھر چلے گئے، تھوڑی دیر میں ایک زیادہ قدآور اور طاقتور بالاکچی آئی۔ اس بالاکچی نے آکر پہلے اپنی سونڈ میں اٹھا کر اس پہلی بالاکچی کو نکالا اور اسے راستے پر لگایا، پھر اس نے ہماری لاری کی طرف توجہ کی اور اسے بآن جسامت آسانی سے اٹھا لیا اور اس ریگ سے نجات دلائی اسطرح کئی گھنٹے صرف ہونے کے بعد جان میں جان آئی اور ہم لوگ آگے روانہ ہو گئے۔

وہ تو کہیے کہ حجاز میں مشینوں کی کثرت ہے اور بآسانی یہ انتظام ہو گیا ورنہ ہندستان ایسے ترقی یافتہ ملک میں اگر کسی دیہات وغیرہ میں کوئی موٹر یا لاری پھنس جائے تو دیہاتوں کا ذکر نہیں اکثر شہروں کے قریب بھی ہم نہیں جانتے کہ یہ بالاکچی والے قسم کا انتظام ممکن ہو گا۔

اب موٹر چلا تو غنیمت ہے کہ کہیں نہیں رکا اور نصف شب کے لگ بھگ ہم لوگ مزدلفہ پہونچ گئے۔ ایک میدان میں ہمیں اتار دیا گیا جس کے متعلق معلوم ہوا کہ یہی مشعر ہے

یہاں بس کنکریاں چننا ہوتی ہیں رمی جمرات کے لیے جو کل ہوگا اور اس کے علاوہ کوئی خاص کام واجب نہیں ہے صرف رات کا قیام ہونا چاہیے۔ چنانچہ اب یہ رات نصف کے قریب جو باقی تھی اسے گذار دیا گیا اور طلوع آفتاب کے بعد یہاں سے منیٰ کے لیے روانگی ہو گئی۔

maablib.org

حج کے بعض مواقع کے حالات جو لوگوں سے سنے تھے

بلاوجہ کا رعب وہ بڑے ہیبت ناک تھے، جن میں ایک بڑا مرحلہ لوگوں نے بتایا تھا کہ مزدلفہ میں کنکریاں چنتے کلے ہیں اسی کے لیے ہم نے مدینہ منورہ میں ٹارچ خریدی تھی۔ لوگوں نے ڈرایا تھا کہ اندھیرا ہوتا ہے اور اکثر کنکریاں چننے میں ساتھ کے آدمی منتشر ہو جاتے ہیں تو پتہ نہیں چلتا کہ کون کدھر گیا اس لیے برابر ایک دوسرے کو آواز دیتے رہنے چاہیئے تاکہ پتہ رہے کہ کون کدھر ہے اس سے بھی زیادہ رعب رمی جمرات کا تھا کہ وہاں لاکھوں آدمی کنکریاں مارتے ہیں اور عجیب عالم ہوتا ہے، ایک صاحب نے کہا تھا کہ بڑے بڑے قوی ہیکل آدمی اس موقع پر جاتے ہیں اور مجمع انھیں روندتا ہوا بڑھتا ہے، اٹھنے کا موقع بھی مشکل سے ملتا ہے اور چونکہ کپڑا نہ کوئی ہوتا نہیں کہ جیب ہو اس لیے جو نقدی ہوتی ہے وہ ہمیانی میں رکھ کر کمر پر باندھی جاتی ہے تو چور بدمعاش ایسے موقع کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی گرے تو وہ ہمدردی کے طور پر اسے اٹھانے کے بہانے پاس آئیں اور ہمیانی اس کی کھول کر رفوچکر ہوں۔ پھر آدمی لاکھ چیختا رہے، کون سنتا ہے۔ پھر یہ کہ رمی جمرات میں اگر کنکریاں نشانہ پر نہ پڑیں تو فریضہ ادا نہیں ہوگا۔ میں کہتا تھا کہ اتنے بڑے مجمع میں نہ جانے ہم کتنی دور پر ہوں، بھلا ممکن ہے کہاں ہوگا کہ ہماری کنکریاں نشانہ پر جا کر لگیں۔ غرض ان تمام مراحل کا تصور بڑا ہولناک تھا۔

اب مشعر الحرام میں آئے تو دیکھا کہ کنکریاں چننے کا کام کوئی بڑا اہم امر نہیں ہے، اس لیے کہ جہاں بستر ڈالا وہیں بستر کے نیچے ضرورت سے بہت زیادہ کنکریاں مل گئیں اور ادھر ادھر دوڑنے اور ڈھونڈھنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔

اس کے بعد بھی پتہ چلا کہ رمی جمرات میں بھی اتنی دشواری نہیں ہے، وہ لاکھوں حج کرنے والے بیک وقت تھوڑی کنکریاں مارتے ہیں بہت ممکن ہے کہ جس وقت آپ پہونچیں اس وقت وہاں دس ہی بیس آدمی ہوں کہ جس سے کہ آپ کو کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔ میں تو محسوس کرتا ہوں کہ شاید بعض لوگ اپنے فریضۂ حج کو جسے ادا کیا ہے، بہت بڑا اپنا کارنامہ قرار دینے کے لیے ان باتوں کو بڑا ہی ہولناک بنا کر پیش کرتے ہیں یا واقعی کبھی اتفاق سے کسی کو دشواری پیش آبھی گئی ہو۔

جو پریشانی یا دشواری ہمیں پیش آئی وہ اس سب کے علاوہ ہے جسے بعد میں بیان کیا جائے گا۔

قربانگاہ یعنی منیٰ

اب وہ مرحلہ آرہا ہے جو ہمارے نزدیک تمام مراحلِ حج میں سب سے عظیم مرحلہ ثابت ہوا۔

اہلِ سنت کے یہاں مناسکِ حج میں بہت سے وہ قیود نہیں ہیں جو ہمارے یہاں ہیں یا کچھ قیود فقہ میں ہوں بھی تو عمل ان پر نہیں ہے اس لیے ان کے لیے بہت وسعت ہے چنانچہ مزدلفہ سے ان کے قافلے رات کو بھی روانہ ہوتے رہے اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ ٹھنڈے ٹھنڈے منیٰ پہنچ گئے۔ مگر ہمارے یہاں مزدلفہ سے طلوعِ آفتاب کے قبل نکلنا درست نہیں ہے۔ اس لئے لاری اگرچہ طلوع

آفتاب کے پہلے سے تیار تھی اور شاید ہم لوگ طلوع آفتاب سے قبل ہی اس میں بیٹھ بھی گئے تھے مگر روانگی پہلے ناممکن تھی۔ ہمارے محمد حمید صاحب نے تو اس احتیاط سے کہ کہیں ڈرائیور جلد بازی سے لاری کو حرکت میں نہ لائے۔ یہ ترکیب کی کہ وہ عین وقت پر جبکہ سب سوار ہو رہے تھے یہاں سے ٹل گئے اور جیسے کہ غائب ہو گئے۔ اور چونکہ ادھر ادھر پہاڑیاں ہیں افق کے اوپر طلوع آفتاب ہو چکنے کے بعد بھی پہاڑیوں کی وجہ سے پتہ نہیں چلتا کہ سورج نکل آیا اس لیے طلوع سے دس بیس منٹ گذر بھی گئے یہاں تک کہ رفقاء پریشان ہونے لگے اور ڈرائیور بھی چیختا رہا ادھر ادھر انھیں تلاش کرتا رہا مگر وہ نہیں آئے، جب آئے تو کہا میں اسی لیے نہیں آیا کہ پورے طور پر اطمینان ہو جائے کہ آفتاب نکل آیا اور دغدغہ دل میں باقی نہ رہے۔

خیر یہاں تک تو ٹھیک تھا، اب سنیے کہ مزدلفہ سے منیٰ تک نہ صرف سات آٹھ میل ہیں، خیال تھا کہ بہت زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ میں نہیں تو دو گھنٹے میں طے ہو جائیں گے، مگر یہاں سے جو چلے تو کچھ نہ پوچھیے کہ کیا گذر گئی۔ صورت حال یہ ہے کہ آج مشعر سے منیٰ تک کے پورے راستے میں یعنی کئی میل لمبی موٹر کی قطار ہوتی ہے اور یہاں سے وہاں تک ہر دس بیس قدم پہ پولیس کے آدمی کھڑے ہیں اتنے طویل راستے میں ہر جگہ سائیکل والے اور پیادہ آدمی بھی آ جا رہے

ہیں، موٹروں کے درمیان ادھر سے ادھر سڑک بھی طے کر رہے ہیں، جہاں پر کوئی ایک آدمی بھی ادھر سے ادھر جائے گا، پولیس کے آدمی نے وہیں پر اس موٹر کو جو پاس آ گئی تھی روک دیا، اب یہاں تو کئی سو کیسی غالباً کئی ہزار موٹریں ہیں اور نہ جانیں کہاں کہاں پر اس طرح کی صورت پیش آ رہی ہے اور ادھر ایک جگہ پر کوئی گاڑی رکی، اس کے پیچھے کی کئی میل لمبی پوری لائن رک گئی۔

اس طرح کے انتظام کا انفرادی پہلو تو اس حیرت انگیز حد تک ہے کہ اتنی بڑی موٹروں کی نقل و حرکت میں جس کی فطرت یہ دنیا کے کسی ملک میں بیک وقت پائی نہ جاتی ہو، موٹر کا ایک حادثہ بھی پیش نہیں آتا اگر اس سے مسافروں کو کوفت جتنی ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ وہ موٹر تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے نہیں جو اصل میں رکی گئی ہے ہم تو ان گاڑیوں کو دیکھ رہے ہیں جہاں تک ہماری نظر جاتی ہے اور ان کے رکنے کی ہمیں کوئی وجہ محسوس نہیں ہوتی تو ذہن کا تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہ سب بے سبب رک گئے ہیں اس سے جو نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ پھر یہ اتفاق دو چار دفعہ کی بات نہیں ہے اور ذرا ذرا سا وقفہ نہیں ہے بلکہ ہر دو تین منٹ کے چلنے اور چلنا کہاں۔ رینگنے کے بعد پانچ دس منٹ بلکہ زیادہ کا توقف ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ چھ سات میل کی مسافت اتنی طولانی ہو گئی ہے جتنی کہ موٹر کی اصل رفتار کے لحاظ سے کئی سو میل کی مسافت ہو سکتی ہے۔

پھر روانگی ہوئی ہے طلوع آفتاب کے بعد۔ جتنا وقت گزرتا ہے اتنا آفتاب اونچا ہو رہا ہے اور دھوپ تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے۔ یہاں احرام کی پابندی کی وجہ سے سر پر سایہ نہیں کر سکتے اس لیے موٹر کھلی ہوئی بغیر چھت کی ہے۔ جس طرف عورتیں بیٹھی ہیں ادھر تو خیر اوپر چادر وغیرہ کچھ تان دی گئی ہے مگر مردوں کے لیے یہ ممکن نہیں۔ ہم تو وقتی طور پر چھتری بھی نہیں لگا سکتے اور موٹر ہے کہ بڑھنے ہی نہیں پاتی ہندوستان کی گھڑی کے لحاظ سے سمجھیے کہ چھ بجے صبح کے قریب روانہ ہوئے تھے اور اب دس بجے کا وقت ہو گیا ہے۔ دھوپ بہت تیز ہو چکی ہے پیاس کا بار بار غلبہ ہو رہا ہے۔ پانی ساتھ میں محدود ہے ہمارے ساتھ صراحی ہے مگر کشمکش کی وجہ سے بار بار انڈیلنا پانی کا ناممکن ہے نواب صاحب وغیرہ کے ساتھ فقط تھرماس ہیں مگر ان میں پانی ہی کتنا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پیاس لگتی ہے تو اسے بڑھنے دیا جاتا ہے جس حد تک کہ تحمل ہو سکے پھر ذرا سا پانی پی لیا جاتا ہے جس سے پیاس بجھتی نہیں کچھ وقتی سکون ہو جاتا ہے۔ اس عالم میں اب بھی پہونچ جائیں تو خیر مگر تو یہ نہ کہیے؟ یہاں تو ابھی گیارہ بجیں گے اور پھر بارہ بجیں گے اسکے بعد منیٰ کے حدود تو آ گئے مگر ہمارے معلم یعنی سید احمد صیرہ کا کیمپ بھی تو آوے۔

اب جو عالم ہر ایک کا ہے اسے نہ پوچھیے، چہرہ دھوپ سے تمتمایا ہوا تمام جسم پسینے سے شرابور اور گلا خشک۔ عجیب عالم ہے یہی کیا کم تھا کہ اب دیکھیے کیا افتاد گزرتی ہے۔

منیٰ کی صحیح تصویر ذہن کے سامنے لائیے کسی زمانہ میں تو یہ میدان تھا اب یہ ایک اچھا خاصہ قصبہ ہے جس میں کافی دور تک دو رویہ مکانات اور دوکانیں بھی تعمیر ہو گئی ہیں۔ یہ مکانات کچھ صاحبان دولت اپنے ان دنوں کے قیام کے لیے حاصل کر لیتے ہیں مگر آج منیٰ میں جو مجمع ہوتا ہے وہ تو کئی لاکھ کا ہوتا ہے ان کے لیے یہ مکانات تھوڑے ہی کافی ہو سکتے ہیں اس لیے معلم لوگ اپنے اپنے کیمپ لگاتے ہیں جس میں ہر معلم سے متعلق جتنے حجاج ہوتے ہیں ان کے خیمے ایک ہی سلسلہ میں لگائے جاتے ہیں اور مکہ معظمہ میں تقریباً بارہ سو معلم ہیں۔ اس طرح آج منیٰ چھولداریوں اور خیموں کے بارہ سو محلوں پر مشتمل ایک بہت بڑا شہر ہو جاتا ہے جس کا طول و عرض میلوں کے رقبہ کو گھیرتا ہے پھر یہ تمام خیمے تقریباً شکل و صورت میں یکساں ہوتے ہیں اس تشابہ کی وجہ سے یہ ایک شدید قسم کی بھول بھلیاں ہو جاتی ہے جہاں کے لیے عام مقولہ یہ ہے کہ یہاں کا کھویا ہوا آدمی بس کئی دن کے بعد مکہ معظمہ میں ملے تو ملے، یہاں اسے ڈھونڈھ نکالنا تقریباً ناممکن بات ہے۔

اب ہماری روداد سنیے کہ جب دوپہر کے اوپر سے گذر گئی اور تمازت آفتاب اور گرمی کی وجہ سے تمام آدمیوں کی جان گویا لبوں تک آ گئی اور منیٰ کے حدود شروع ہو چکنے کے بعد بھی کسی طرح سید احمد صحرہ کا کیمپ نہیں آ چکا مگر یہ معلوم ہوا کہ وہ تھوڑی دور ہے لیکن یہ تھوڑی دور بھی موٹر کی اس رفتار کی وجہ سے کہ دو منٹ چلے اور دس دس منٹ رکے نہ معلوم کب ختم ہو تو نواب محمد حسین صاحب کو تو موٹر سے اتر

پڑے اور کہا میں جا کر پتہ لگاتا ہوں کہ سید احمد صحرہ کے یہاں کے خیمے کہاں ہیں؟ ان کے بعد دو ایک خوچے بھی اتر گئے۔ ہم ابھی تک ان لوگوں کے انتظار میں موٹر ہی پر بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر میں نواب صاحب معلم کے ایک آدمی کو ساتھ لیے ہوئے آئے اور کہا کہ کیمپ اب واقعی قریب ہے مگر موٹر دیر میں پہونچے گی لہذا عورتیں تو موٹر پر رہیں اور جس جس کو کیمپ تک پہونچنا ہو وہ موٹر سے اتر پڑے اور اس آدمی کے ساتھ پیادہ چل کر اس کیمپ تک پہونچ جائے۔ یہ سن کر میں اور شبیر صاحب اور پاندرے والے خوچے۔ یہ چند آدمی اتر پڑے۔ اب آگے آگے معلم کا آدمی تیز رفتاری کے ساتھ جا رہا تھا اور ہم سب اس کو دیکھتے ہوئے کہ کدھر جا رہا ہے راستہ چل رہے تھے کافی دور تک ہم سب ساتھ راستہ طے کرتے رہے مگر اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ بالکل اس طرح جیسے اسٹیشن پر بعض وقت قلی سامان سر پر اٹھا کر اتنی تیز جاتا ہے کہ اس کے ساتھ چلنا ہم اسپوں کو ناممکن ہو جاتا ہے ویسے ہی اس آدمی کے ساتھ چلنا ہمارے لیے نہایت دشوار تھا۔ اب ایک مقام ایسا آیا کہ وہاں کشتی ساتھی کو میں نے مڑ کر دیکھا جو میرے پیچھے تھے کہ وہ رہ تو نہیں گئے اور غالباً شبیر صاحب تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کچھ فاصلہ پر پیچھے آرہے ہیں اطمینان ہو اگر اب جو آگے دیکھتا ہوں تو وہ معلم کا آدمی اور اسکے ساتھ ہی نواب محمد حسین صاحب اور غالباً محمد حیدر صاحب یہ لوگ بالکل غائب اب ایک تو خود میرے لیے زیادہ تیز رفتاری دشوار۔ پھر یہ کہ میں آگے

بڑھ جاؤں تو شبیر صاحب پیچھے بے یار و مددگار رہ جائیں۔ میں نے ذرا قدم تیز کر کے کچھ اور راستہ طے کیا تو دیکھا کہ دو موڑ ہیں اب معلوم نہیں وہ لوگ اِس طرف گئے ہیں یا اُس طرف آگے جائیں تو ممکن ہے وہ پلٹ کر ہمیں یہاں پر ڈھونڈھیں، غرض یہ منزل ایسی تھی کہ اب ہم شبیر صاحب دونوں آدمی گم شدہ ہو گئے۔ جسمانی طاقت تو شاید موڑ ہی پر ختم ہو گئی تھی۔ یہاں دل کی طاقت نے بھی جواب دے دیا پھر میں اِدھر اُدھر کچھ جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا مگر شبیر صاحب ایک لاری سے جو رکی کھڑی تھی لگ کر بیٹھ گئے کہ میرا تو ہارٹ فیل ہو رہا ہے میں یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور واقعہ یہ ہے کہ چکر تو مجھے بھی آ گیا تھا میں بھی ان کے پاس ہی موڑ کی دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا، بائیں روڈ والے خوچے بھی غائب تھا ہمارے ہی ساتھ تھے ہی کبھی کھڑے ہو کر اس موڑ کو دیکھ لیتا تھا جس سے اترے تھے کہ شاید وہی آ جائے مگر وہ ابھی کہاں نظر آتی۔

امدادِ غیب یا فرشتۂ رحمت

ڈاکٹر متین نیازی صاحب کا ذکر خیر اس سفر نامہ میں کئی دفعہ آ چکا ہے یہ میرے لیے اس سفر میں دو مرتبہ فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے۔ ایک دفعہ تو سعودی کسٹم میں جب کتابوں کا معاملہ درپیش تھا اس مرتبہ بھی وہ بالکل خلاف توقع ایک دم نظر آ گئے تھے اور آج بھی اس عالم جبکہ ہم راہ میں "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کے عالم میں سراسیمہ و حیران بیٹھے تھے کہ ایک دفعہ سامنے سے ڈاکٹر متین نیازی صاحب

آتے ہوئے نظر آئے۔ اس عالم میں کہ چہرہ تمتمایا ہوا، سر کے بال پریشان، جسم پسینے میں شرابور، بعد میں معلوم ہوا کہ خود ان کے اسٹاف کا ایک آدمی کھو گیا تھا جس کی تلاش میں وہ بھاگ دوڑ کر رہے تھے مگر مجھے جو بیٹھے دیکھا تو کہا، ہائیں، آپ یہاں کیسے بیٹھے ہیں؟ میں نے واقعہ بیان کیا تو انھوں نے میرا ہاتھ اپنی بغل میں دبالیا کہ چلیے میرے ساتھ۔ میں سید احمد صحرہ کے کیمپ میں آپ کو پہنچادوں مگر جلدی میں یہ بھی تیز رفتاری سے جانا چاہتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ شبیر صاحب اور خوجے بھائی ساتھ نہیں چل سکتے تو میں نے کہا کہ آپ یہیں پر بیٹھے میں منزل پر پہونچ جاؤں تو آپ کو بلوالوں گا چنانچہ وہ وہیں بیٹھ گئے، میں ان کے ساتھ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں سید احمد صحرہ کا جھنڈا نظر آگیا جس کے ساتھ ڈاکٹر صاحب رخصت ہو گئے۔ ذرا سا آگے بڑھنے کے بعد سید احمد صحرہ کے خیمہ تک پہنچ گیا اور اس طرح یہ شدید امتحان اختتام تک پہونچا۔

maablib.org

عید قرباں کے فرائض

آج ۱۰ ذی الحجہ ہے۔ آدھا دن بلکہ اس سے زیادہ تو منیٰ پہونچنے ہی میں گزر گیا ہے، اب یہاں تین کام ہیں۔ (۱) رمی جمرات یعنی شیطان کو سنگ ریزے مارنا (۲) قربانی اور (۳) حلق راس یعنی سر منڈوانا۔

جناب تاج العلماء فرماتے ہیں:

روز عید بعد طلوع جب مشعر سے روانہ ہو اور مقام منیٰ میں پہنچے تو پہلے رمی جمرہ کرے منیٰ میں پہونچ کر اور نیت یوں کرے گا کہ یہ کنکریاں مارتا ہوں میں جمرۂ عقبہ کے حج تمتع میں واجب قربۃً الی اللہ پھر کنکریاں مارے اس طور سے کہ عرف میں کنکری مارنا صادق آئے یہ نہیں کہ کنکری اٹھا کے جمرے پر رکھ دے یا اسے چھوا دے اور اتنے زور سے پھینکے کہ پھینکنے ہی کی وجہ سے وہ جمرہ کو لگے، یہ نہیں کہ پڑے تو کہیں اور

وہاں سے اچھٹ کے جمرہ کو لگ جائے کہ یہ کافی نہ ہوگا اور مشکوک کا حساب نہ رکھیں بلکہ اس کے بدلے نئی کنکری مارے یہاں تک کہ بہت سے سنگریزے پھینکنے ہیں جب یقین واثق ہو کہ سات لگ گئیں تو اطمینان ہو جائے اور ایک دفعہ سب نہ کھینچ ماریں بلکہ باری باری (حجۃ الاسلام)

یہی مہم تھی جو ہمارے نزدیک جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بڑی عظیم تھی مگر اب ثابت ہوا کہ وہ کوئی خاص مہم نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ حجاج اتنی کثیر تعداد میں سہی مگر وہ بیک وقت تھوڑی سی رمی جمرات کے لیے آتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں نہ مجمع ہی زیادہ ملا اور نہ سنگریزوں کو جمرہ تک پہنچانے میں کوئی دقت محسوس ہوئی۔ اس لیے کہ جمرہ کوئی مختصر جسم نہیں ہے بلکہ کافی بھاری بھر کم شے ہے جس کے کسی جزء پر تو کنکری بلا تکلف پڑ ہی جاتی ہے۔ بعض لوگ کنکریاں ہی نہیں بلکہ جوتے بھی مار رہے تھے اور کسی نے زور سے جوتا مارا تو وہ جمرہ پر پڑنے کے بعد پلٹ کر خود اس کے پڑ گیا۔

وہ مسلمان جو اکثر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا کسی سے اظہار نفرت بھی کوئی دینی فریضہ یا جزو مذہب ہو سکتا ہے؟ انھیں اس رمی جمرات کے متفق علیہ اسلامی فریضہ اور اس کے فلسفہ پر ضرور غور کرنا چاہیے۔

قربانی چونکہ لاکھوں جانوروں کی ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے گوشت کے پڑے رہنے اور سڑنے کا خطرہ ہے جو پہلے تمام منیٰ اور اسکے

اطراف میں پھیلا رہتا اس لیے اب یہاں کی حکومت نے ایک احاطہ بنوا دیا ہے کہ اسی کے پاس جانور ملتے ہیں اور اسی احاطہ میں ذبح کر دیے جاتے ہیں۔ حاجی جتنا گوشت چاہے اپنے ساتھ لے آئے اور باقی وہیں چھوڑ آئے اس کے لیے ہم سب نے تو اب محمد حسین صاحب کوثر کو ذمہ دار بنایا کہ وہ تشریف لے جا کر اپنے لیے بھی جانور خریدیں اور ہم سب کے لیے بھی چنانچہ انھوں نے جا کر اس کام کو انجام دیا اور تقریباً پچاس پچاس روپیہ کا گوسفند ہر ایک کے لیے خرید کر اس احاطہ میں جا کر ذبح کر دیا ان کا بیان ہے کہ اس احاطہ کی کیفیت مشاہدہ ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی پورے احاطہ میں اتنے جانور ذبح ہوئے ہیں زمین سے کافی اونچا جانوروں کا وہاں فرش سا ہے کہ بغیر اس پر پاؤں رکھے ہوئے گزرنا غیر ممکن ہے۔

ہم لوگوں کے ساتھ کھانے پکانے کا تو کوئی سامان تھا نہیں۔ اس لیے گوشت اپنے ساتھ بالکل نہیں لائے ذبح کر کے سب جانور وہیں چھوڑے اور کافی افسوس رہا کہ ایسے مرکز میں ہونے اور اتنی گراں قیمت قربانیاں کرنے کے باوجود ہم لوگوں کو اس سال قربانی کا گوشت کھانے کو نہیں ملا۔ ہاں یہ معلوم ہے کہ آج اور اس کے بعد کئی وقت تک جو گوشت کی دوکانوں پر گوشت ملتا تھا یا کھانے کی دوکانوں اور ہوٹلوں میں جو سالن وغیرہ ملتا تھا وہ ان کا خریدا ہوا گوشت نہ ہوتا تھا بلکہ یہی قربانی کا گوشت اٹھا کر وہ لے آئے اور اسی کو استعمال کیا حالانکہ کھانے والوں

سے قیمت انھوں نے ہمیشہ سے زیادہ وصول کی۔

تقریباً ۸ بجے دن کو نواب صاحب نے واپس آکر اطلاع دی کہ قربانیاں سب کی طرف سے عمل میں آگئیں اب سر منڈوانے کی منزل تھی جو ایسے شخص کے لیے جو پہلی دفعہ حج کو گیا ہے یعنی حجۃ الاسلام انجام دے دیا ہے یقیناً لازم ہے۔ تقصیر یعنی صرف تھوڑے سے بال یا ناخون کٹوانا اس کے لیے کافی نہیں ہے ہاں جو پہلے حج کر چکا ہو اور اب حج سنتی بجالا رہا ہو اس کے لیے حلق اور تقصیر میں اختیار ہے اگرچہ حلق اس کے لیے بھی افضل ہے۔ بہرحال ہم لوگوں کا تو سب کا حج حجۃ الاسلام ہی تھا، اس لیے ہم سب کو حلق کرانا ضروری تھا چنانچہ ہم لوگوں نے تقریباً ایک ایک روپیہ دے کر سر منڈوایا۔ ہمارے محمد حیدر صاحب نے جس حجام سے سر منڈوایا تھا اس نے کئی جگہ ان کے سر پر استرے کے خراشیں کر دیں جن سے خون نکل آیا۔ بس اب نہ پوچھیے کہ موصوف کو کیا ذہنی پریشانی پیدا ہوئی۔ وہ تو بغیر آب کثیر کے نہا نہیں سکتے چنانچہ مکہ معظمہ میں بھی انھوں نے ایک برف خانہ میں آب کثیر کا پتہ لگا لیا اور وہیں جاکر نہائے۔ یہاں منیٰ میں حوض کہاں سے آئے، انھوں نے پوری ذمہ داری مجھ پر عائد کرنے کے لیے یہ طے کیا ہے کہ میں ان کا سر پاک کرادوں۔ اس طرح کہ میں ان کے سر پر پانی ڈالوں اور جہاں میں بتاؤں، وہ ہاتھ ملتے جائیں کہ خون چھوٹ جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بحمد اللہ انھوں نے سمجھا

کہ وہ ظاہر ہوے۔ شبیر صاحب کی کچھ طبیعت تو مکہ معظمہ ہی سے خراب تھی۔ پھر عرفات میں گرمی کا اثر ہوا اور اس کے بعد منیٰ آنے کے بعد ان کی حالت ایسی ہو گئی کہ وصیتیں کرنا شروع کر دیں اور قلب کی حالت ایسی دگرگوں ہوئی کہ ان کے لیے نقل و حرکت دشوار ہو گئی۔ معلم کے آدمی نے جا کر سرکاری اسپتال میں اطلاع دی اور امبولنس کار انھیں آ کر لے گئی مگر تھوڑی دیر میں کچھ تدارک کے بعد واپس پہونچا دیا کہ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ گرمی کا اثر ہے اس حد تک کہ اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اب حلقِ راس یعنی سر منڈوانے کے بعد ہم لوگوں کا احرام کھل چکا تھا اور اپنے عام کپڑے پہن لیے تھے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ جا کر طواف حج کرنا تھا۔ جناب تاج العلماء نے لکھا ہے:۔

"حتی الوسع عید ہی کے روز جائے اگر کوئی عذر نہ ہو"

چنانچہ ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور ہم چاروں آدمی اس پر طواف حج کے لیے مکہ معظمہ گئے مگر شبیر صاحب کی اب یہ حالت تھی کہ وہ اپنے پیروں سے طواف نہ کر سکتے تھے لہٰذا ان کے لیے نواب سید محمد حسین صاحب نے ایک ڈولے کے قسم کی چیز جو وہاں معذورین کے طواف کے لیے ہوتی ہے اور اسے دو آدمی ادھر ادھر سے اپنے ہاتھوں پر سر کے اوپر تک اونچا کر کے طواف کراتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر اتنا اونچا اسے نہ رکھیں تو اس ہجوم کے اندر چل ہی نہیں سکتے۔ اسے تقریباً چھ روپیے میں کرایہ پر لیا اور اس طرح دو آدمیوں نے طواف کرایا۔ اب انھیں بڑا صدمہ تھا کہ میرے حج میں کمی

ہو گئی مگر میں نے انھیں تسلی دی کہ تکلیف شرعی طاقت سے زیادہ نہیں ہوتی آپ کی جو حالت ہے اس میں حکم شریعت یہی ہے جس پر آپ نے عمل کیا تو کمی کیسی؟

طواف حج کے بعد طواف نسا کیا گیا اور اس کے بعد مغرب کے پہلے منٰی واپس گئے تاکہ شب وہاں گزاری جائے جو کہ لازم ہے۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برّ صغیر
maablib.org

قیامِ منیٰ اور مراجعت مکہ

یہ رات منیٰ میں گذاری اب دوسرا دن یعنی ۱۱ ذی الحجہ کی تاریخ ہوی آج منیٰ میں بس رمی جمرات پھر کرنا ہے اور کوئی کام نہیں۔ ہاں قیام ابھی بارھویں شب کو بھی لازم ہے جیسا کہ جناب تاج العلماء نے لکھا ہے:-

"یہ شب باشی ۱۱ اور ۱۲ شب میں سب پر واجب ہے منیٰ میں اور ۱۳ شب میں بھی واجب ہے خاص اس پہ جو احرام میں عورت شکار سے نہ بچا ہو اور جس نے پابندی کی ہو تو اسے جائز ہے کہ ۱۲ کو منیٰ سے کوچ کر دے بعد زوال کے اور اگر اتفاقاً رہ جائے تو پھر تیرھویں شب بھی بتیعہ تت اور شب باشی لازم ہو جائے گی اور ۱۳ کی رمی جمرہ بھی" (حجۃ الاسلام)

بارھویں شب بھی ہم لوگ منےا میں گزار چکے ہیں تو اب بارھویں تاریخ ہم لوگوں کو مکہ معظمہ واپس جانا درست تھا۔ صبح کو جاکر رمی جمرہ کر آئے۔ اب میں نے ہمراہیوں سے کہا کہ زوال تک یہاں قیام کرنا چاہیے۔ بعد زوال روانگی ہوگی مگر نواب محمد حسین صاحب اور شبیر حسین صاحب اتنے پریشان تھے کہ انھوں نے زوال کے بعد تک قیام کو ناقابل برداشت محسوس کیا اور نواب صاحب کے الفاظ یہ تھے کہ قبلہ وکعبہ ہم تو یہاں مر جائیں گے" میں نے مجبوراً سکوت کیا۔ صرف محمد حیدر صاحب میرا ساتھ دینے پہ تیار رہ گئے اور یہ دونوں صاحب زوال سے صرف ایک گھنٹہ قبل ہم سے جدا ہو گئے۔ بعد میں انھوں نے بیان کیا موٹر کی تلاش اور پھر ڈرائیور کی جانب سے تاخیر کی وجہ سے چلنے میں اتنی دیر ہوئی کہ زوال کا وقت منیٰ ہی میں آگیا تھا۔ بہرحال اب ہم رہ گئے اور محمد حیدر صاحب۔ نماز ظہرین کے بعد پھر اتنا انتظار کیا کہ ذرا دھوپ گھٹ جائے۔ غرض تقریباً ۴ بجے سہ پہر کو ہم دونوں آدمی وہاں سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ جلسے قیام پر جو پہونچے تو دیکھا نواب محمد حسین صاحب درد سے تڑپ رہے ہیں۔ اُف اُف اور" ہائے ہائے" کی صدائیں بلند ہیں اور شبیر صاحب جو اس کے بیٹے بیچارے نیم جاں پڑے ہوئے تھے۔ اب اٹھے ہوئے نواب صاحب کی پیٹھ دبانے اور ملنے دلنے میں مصروف ہیں۔ معلوم ہوا کہ درد گردہ اٹھا ہے اور وہ اتنا شدید ہے کہ نواب صاحب (دوران حال) مایوس ہو گئے ہیں۔

مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ "قبلہ و کعبہ! ہم دونوں آدمیوں کا تو اب وقت آگیا ہے" میں نے تسلی دی اور چاہا تھا کہ تیمارداری میں عملاً شریک ہو جاؤں تو انھوں نے مجھے سختی سے روک دیا کہ آپ بس دعا پڑھ دیجئے! ہاں محمد حیدر صاحب اب شبیر صاحب کے ساتھ مصروف خدمت ہو گئے میں ڈاکٹر کی تلاش میں گیا مگر آج عالم تھا کہ ہر ڈاکٹر اور کمپاؤنڈر لوگ سب حجاج کے کیمپوں میں دورے پر گئے ہوئے تھے اور کوئی گھر پر یا مطب میں موجود نہ تھا، اس لیے رات کافی گزر گئی اور کوئی تدارک ممکن نہ ہوا۔

حکومت ہند کا حسن انتظام اور ہندوستانی ڈاکٹروں کی دیانت داری

منصفانہ طور پر اس کا اقرار ناگزیر ہے کہ ہماری حکومت ہند نے حجاج کے آرام کے لیے وہ سب کچھ کیا ہے جو کسی بھی اسلامی حکومت نے اپنے باشندوں کے لیے کیا ہے بلکہ بہت سی اسلامی حکومتوں نے ایسے انتظامات نہیں کیے ہیں چنانچہ منجملہ اس کے یہ ہے کہ ایک ڈاکٹر اور دوا خانہ تو مستقل طور پر مکہ معظمہ میں موجود رہتا ہے۔ یہ ڈاکٹر آج کل ایک صدیقی صاحب ہیں۔ زمانہ حج میں تین ڈاکٹر اور ان کے ساتھ کمپاؤنڈر آتے ہیں ایک جدہ کے لیے اور ایک مدینہ منورہ کے لیے اور ایک مکہ معظمہ کے لیے جہاز میں یہ تینوں ڈاکٹر صاحبان ہمارے ہم سفر تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مدراس والے ڈاکٹر صاحب جدہ میں رکھے گئے اور کشمیر

والے مدینہ منورہ بھیجے گئے اور ہمارے دوست ڈاکٹر متین نیازی صاحب مکہ معظمہ میں رکھے گئے اب ان ڈاکٹر صاحبان کا کردار کتنا بلند ہے؟ وہ ملاحظہ فرمائیے۔

مجھ پر تو پروردگار عالم کا فضل ہمیشہ رہا ہے کہ اپنی ذات کے لیے میرا سابقہ ڈاکٹروں سے شاذ و نادر ہی پڑتا ہے مگر ہمارے ہم سفر خوجے صاحبان میں سے ایک بیمار ہوئے ان کے لیے ایک دن میں نے ڈاکٹر متین نیازی صاحب سے پوچھا کہ آپ کو مکان پر بلایا جائے تو فیس کیا ہوگی؟ انھوں نے کہا، حجاج سے خواہ کسی بھی ملک کے ہوں ہم کچھ نہیں لے سکتے۔ اور اس پر ہمارا عمل اتنی سختی کے ساتھ ہے کہ بعض متمول حضرات باصرار کچھ دینا چاہتے ہیں تو بھی ہم نہیں لیتے اور کہتے ہیں کہ اسے آپ یہاں امور خیر میں صرف کیجیے۔ یہ سن کر میں نے خیال کیا کہ شاید یہ ڈاکٹر متین صاحب کا ذاتی کردار ہو۔ مگر اب نواب محمد حسین صاحب کے سلسلہ میں ڈاکٹر صدیقی صاحب کا تجربہ ہوا۔

تقریباً ۱۲ بجے رات کو ڈاکٹر صاحب ملے اور حال سن کر تشریف لائے، نواب صاحب نے تفصیلی حال بتایا انھوں نے نسخہ لکھنا شروع کیا وہ نسخہ لکھ رہے تھے کہ نواب صاحب نے ہاتھ جیب میں ڈالا۔ انھوں نے کنکھیوں سے دیکھا اور کہا۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ نواب صاحب نے سنا نہیں اتنی دیر میں وہ نسخہ لکھ چکے تھے اور یہاں دس کا نوٹ آنکھوں کے سامنے۔ اب نواب صاحب نے یہ نوٹ ان کے سامنے بڑھا دیا جس پر انھوں نے

فرمایا کہ میں تو اسے لحم خنزیر سمجھتا ہوں نواب صاحب نے فرمایا کیا؟ میں نے زرا بلند آواز سے ان کا جملہ دہرایا کہ وہ یہ فرمار ہے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ فقرہ اتنا سخت تھا کہ اسکے بعد اصرار کا کوئی محل ہی نہ تھا وہ اس نوٹ کو وہیں سامنے پڑا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

ایک پاکستانی خوجے کراچی کے رہنے والے، نواب صاحب وغیرہ کے ساتھ اس کمرے میں شریک ہو گئے تھے وہ عربی سے بالکل ناواقف تھے اس لیے لحم خنزیر کے معنی نہیں سمجھے پوچھا ڈاکٹر صاحب نے کیا کہا تھا میں نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ میں اسے سور کا گوشت سمجھتا ہوں، اس پہ خوجے صاحب ششدر رہ گئے۔ کہنے لگے یہ کمال کی بات ہے۔ اس آدھی رات کو اگر یہ روپیہ لے لیتے تو کسے خبر ہوتی ؟ مگر انھوں نے اسے لینا گوارا نہ کیا اور ہمارے یہاں (یعنی ان کے ملک میں) بڑے سے لے کر چھوٹے تک کوئی اس سے بری نہیں ہے کسی نہ کسی شکل میں ہر ایک لیتا ہے۔

یہ ان کے آخری الفاظ سن کر افسوس ہوا۔ بہر حال ہم سب اس ملک کے لیے کیا جانیں، ہم تو وہ جانتے ہیں جو اپنے یہاں دیکھتے ہیں اور جس کا نمونہ ان ڈاکٹروں کے کردار میں آنکھوں کے سامنے آیا۔

maablib.org

مکّہ معظمہ کے آخری چند روز

بس اب مناسک حج ختم ہو چکے ہیں چونکہ ہم سب سے پہلے جہاز سے آئے تھے لہٰذا اب ہمیں سب سے پہلے ہی جہاز سے واپس بھی ہونا ہے۔

یہاں حج کے بعد نہ مدینہ منورہ جانے میں انسان خود مختار ہے اور نہ جدّہ کی طرف واپسی میں خود اختیار حیثیت حاصل ہے یہ اس لیے کہ اگر سب آزاد ہوں تو جتنے مدینہ جانے والے ہیں وہ سب ایک دم وہاں پہونچ جائیں تو مدینہ منورہ میں بکثرت خلائق سے انتہائی ازدحام کشمکش پیدا ہو جائے اور اسی طرح جو واپس جانے والے ہیں وہ سب ایک دم جدّہ پہونچ جائیں اور ہر ایک کوشش کرے کہ ہم پہلے جہاز سے روانہ ہوں تو یہاں انتہائی چپقلش پیدا ہو جائے لہٰذا مدینہ اور جدہ دونوں جگہ کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے تاریخ مقرر ہوتی ہے کہ کس جہاز سے آنے

آنے والے کب جائیں۔ اس طرح زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہمیں حج کے دوسرے ہی دن معلم نے بتادیا کہ آپ کو یہاں سے فلاں دن روانہ ہونا ہے۔ اس طرح حج کے بعد مکہ معظمہ میں صرف تین دن قیام رہ سکا جس میں کچھ سنتی طواف ہوئے اور باقی وقت سامان سفر کی تیاری اور بعض فرمائشوں کی تکمیل کے لیے خریداری میں گذرا، یہ بھی اپنے لیے کم اور رفقائے سفر بالخصوص خوجے صاحبان کی ہمراہی میں زیادہ اور اس کے بعد جدہ کی طرف روانگی ہو گئی۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

جدّہ کی طرف واپسی

علاوہ ایسے لوگوں کے جن سے ہماری کوئی شناسائی نہ تھی اب جدّہ جانے میں ہمارے رفقاء میں باندرہ والے خوجے صاحبان تھے، اور نواب محمد حسین صاحب کوثر اور شبیر حسین صاحب اور محمد حیدر صاحب اتنے دن کے علاج میں انشاء اللہ نواب محمد حسین صاحب کی طبیعت بظاہر درست ہو چکی تھی ان حضرات کو کانپور و لکھنؤ کے لیے ہوائی جہاز سے عراق جانا تھا اور نیز اور باندرہ کے خوجوں کو بحری جہاز سے ڈرائیور نے نصف شب کے بعد ہم لوگوں کو جدّہ کے ہوائی اڈّے والے مسافر خانہ میں پہونچا دیا اور یہ اس کی شرارت تھی کہ اس نے کہا کہ معلم نے ہمیں یہیں تک آنے کی ہدایت کی تھی، اب آپ سب لوگ یہیں اتریے۔ یہی حجاج کا مسافر خانہ ہے چنانچہ ہم اترے اور پورا سامان بھی اتار لیا اندر گئے تو محسوس ہوا کہ وہ مدینۃ الحجاج نہیں ہے جہاں ہمیں قیام کرنا ہے اور دریافت

maablib.org

کرنے پر معلوم ہوا کہ مدینۃ الحجاج یہاں سے کافی دور ہے، چونکہ سوا ہم دو تین آدمیوں کے سب مسافر ہوائی جہاز والے تھے، لہٰذا اب ڈرائیور نے سوچا ان تین آدمیوں کو بھی یہیں اتار دیا جائے۔ ان کے لیے اتنی زور کیوں جایا جائے اگر ہم ذرا بھی اس کے کہنے میں آ کر بے وقوف بن جائیں تو بڑی زحمت پڑ جائے مگر ہم اس کے کہنے میں نہیں آئے اور نہ اس پولیس کے سپاہی سے جو باہر کھڑا تھا شکایت کی۔

یہ ایک حقیقت ہمیں محسوس ہوئی کہ پولیس کے سپاہی حجاز کی بہ نسبت ہمارے ہندوستان کی پولیس کے فرض شناس بھی زیادہ ہیں اور عوام پر ان کا اثر بھی زیادہ ہے۔

ہمارے یہاں انگریزوں کے زمانہ میں اور وہ بھی شروع میں یعنی کانگریس کی تحریک آزادی کے پھیلنے تک جس کا ذکر ہمارے لیے سماعی ہے دیکھنے میں ہماری یادداشت کے حدود کے اندر نہیں آیا ہے کبھی پولیس کا بڑا اثر رہا ہو لیکن جب ہم نے دیکھا تو یہ وہ دور تھا کہ پولیس کی مخالفت گویا ایک قومی کردار بنی ہوئی تھی اب جبکہ وطنی حکومت ہے اب بھی نہ پولیس ہر شکایت کرنے والے کی دادرسی کرتی ہے اور نہ شنوائی اور نہ پر عوام پورے طور پر ان کی بات مانتے ہیں بلکہ اکثر لڑنے پر تیار ہو جاتے ہیں جس کا مشاہدہ تانگے اور رکشے والوں کی بے راہ روی کے ذیل میں برابر ہوتا رہتا ہے مگر یہاں منیٰ اور عرفات کے درمیان اور خاص مکہ معظمہ میں موٹروں کی آمد و رفت میں ایک نو پولیس کے آدمیوں کی مستعدی کو دیکھا

کہ وہ ہر ہر دس قدم پر کھڑے موٹروں کی رفتار کی نگرانی میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کرتے اور دوسری طرف کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ ان کے اشارہ کے ساتھ ہی ڈرائیور ذرہ بھر بھی ان کی مخالفت کرے۔

اب آج خود اپنے لیے اس کے تجربہ کا موقع یہاں آیا کہ ہم نے جونہی پولیس کے آدمی کو یہ روئداد سنائی کہ ہمیں تو مدینۃ الحجاج جانا ہے اور یہ موٹر والا ہمیں یہیں اتار دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ معلم نے ہم کو یہی ہدایت کی ہے۔ بس جناب بلا غورآ وہ سپاہی ہمارے ساتھ ہو لیا اور اس نے آگر موٹر والے کو ڈانٹا اور کہا کہ یہاں کس طرح اتار رہے ہو تمھیں ان کو مدینۃ الحجاج لے جانا ہوگا جس کے بعد وہ ڈرائیور بھی بلا چوں و چرا تیار ہو گیا۔ ہم لوگوں نے پھر سامان گاڑی پر رکھا اور تقریباً آدھ گھنٹے میں مدینۃ الحجاج پہونچ گئے۔

نواب محمد حسین صاحب کوثر اور شبیر صاحب اور محمد حیدر صاحب اسی ہوائی اڈے والے مسافر خانہ میں رک گئے اور اس طرح ہمارا اور ان کا ساتھ اب چھوٹ گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ نواب محمد حسین کی پھر جدہ پہونچ کر طبیعت خراب ہو گئی اور اسی درد کا حملہ دوبارہ بڑے زوروں سے ہوا۔ چنانچہ یہاں انھیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا اچھے ہونے کے بعد یہ لوگ ہوائی جہاز سے عراق چلے گئے۔

آتے وقت چونکہ ہم عبدالہادی سکندر سے وابستہ تھے اس لیے جدہ میں ان کے وکیل نے خیر مقدم کیا تھا مگر اب ہم سید ائمہ حمزہ سے

سے متعلق ہیں۔ جدہ میں ان کے وکیل ابو زید ہیں۔ خیال تھا کہ واپسی میں ان کی طرف سے پذیرائی ہوگی اور قیام کا معقول انتظام ہوگا مگر واپسی کے وقت اس سلسلہ میں کافی مایوسی ہوئی۔

مدینۃ الحجاج میں نماز صبح کے وقت کے قریب پہونچے۔ ڈرائیور نے اس احاطہ کے اندر لاکر موٹر روک دی۔ ہم نے کہا: ذرا دریافت کرو کہ ابو زید کے حجاج کو کہاں ٹھہرنا چاہیے۔ اس نے کہا ہم کس سے دریافت کریں، آپ اتر کر پوچھیے۔ چنانچہ سامان اسی میدان میں اتار دیا گیا اب خوجے صاحبان کو سامان کے پاس چھوڑ کر میں پتہ لگانے کے لیے لے گیا۔ تو بڑی مشکل سے ابو زید کا دفتر معلوم ہوا۔ وہاں جاکر کھٹکھٹایا تو ایک صاحب سوتے ہوئے ملے انھیں جاکر کہا کہ ہم ابو زید کے یہاں کے حاجی ہیں ہمیں جگہ بتائیے انھوں نے کہا ہم کچھ نہیں بتا سکتے جگہ تو کہیں ہے نہیں۔ یہ کہہ کر وہ پھر سو رہا اور اس کے بعد کسی طرح سر نہ اٹھایا مجبوراً ہم لوگوں نے سامان لے جاکر ایک چائے خانہ کے دروازے پر رکھا۔ وہیں صبح کی نماز پڑھی اور طلوع آفتاب کے منتظر ہوگئے کہ اس کے بعد جائے قیام کا کچھ پتہ چلے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اب پھر گئے مگر دفتر میں اب بھی کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ حالانکہ جب گورنمنٹ نے اسی ہجوم نہ ہونے کی خاطر نمبر مقرر کیا ہے تو پھر ہر جہاز کے جانے والوں میں جتنے ایک معلم کے حاجی ہیں ان کے لیے اس معلم کے وکیل کو جگہیں محفوظ رکھنا چاہئیں۔ پریشانی پیدا ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے

مگر یہاں ایسا نہیں دیکھا گیا۔ کافی پریشانی کے بعد ایک غیر متعلق آدمی نے رحم کھایا اور کہا میں آپ کو اس جگہ لے چلتا ہوں جہاں ابوزید کے یہاں کے حاجی ہیں۔ آپ خود جگہ نکال لیجیے چنانچہ ایک وسیع ہال میں وہ لے گیا۔ جہاں "گنج شہیداں" کی طرح کچھ حاجیوں کے بستر زمین پر لگے ہوئے تھے وہیں ایک جگہ خالی پا کر ہم لوگوں نے بھی اپنے بستر لگا لیے اور یہ خیال کیا کہ خود ابوزید سے ملاقات کر کے کسی بہتر انتظام کی کوشش کریں گے۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

کتابوں کا آخری انجام
اور
جہاز کی روانگی

اس کتاب کے قارئین کو جنھوں نے کتابوں کے مسئلہ کا آغاز پڑھا ہے، انجام کا انتظار ہو گا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عبد الہادی سکندرہ اور سید احمد صحرہ دونوں معلموں سے برابر ہم نے کتابوں کے معاملہ میں مدد لینا چاہی اور یقیناً یہ لوگ چاہتے تو ہماری کتابیں مل سکتی تھیں اس لیے کہ اس شیخ نے کہ جو ہماری کتابوں کے روکنے کا ذمہ دار تھا ہمیں مکہ معظمہ میں ایک دن بتا دیا تھا کہ آپ کی کتابیں دیکھ لی گئی ہیں ان میں سے کچھ تو آپ کو ابھی مل سکتی ہیں اور کچھ روانگی کے وقت ملیں گی۔ اب یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ کون مل سکتی تھیں اور کون ابھی نہیں

مل سکتیں ، لیکن کچھ نہ کچھ کتابیں ایسی ضرور تھیں جو واپس مل جاتیں مگر کسی معلم کے یہاں شنوائی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اعجاز صاحب مکہ معظمہ میں دو دن رہنے کے بعد جدہ گئے اگر عبد الہادی سکندر صاحب کے یہاں انہی سے کہہ دیا گیا ہوتا تو وہ کتابیں اپنے ساتھ لے آتے مگر اتنی توفیق بھی کسی کو نہ ہوئی۔ مجھے اسوقت علم ہوا جب اعجاز صاحب جاکر ہو بھی آئے تھے۔

منیٰ سے واپسی کے دوسرے دن ہمارے ہندوستانی سفیر جناب قدوائی نے جن کا ذکر خیر پہلے کئی دفعہ آچکا ہے مکہ معظمہ میں ایک شام کی دعوت کی تھی جو ہمیشہ ہوتی ہے اور اس میں بنظر کرم مجھے بھی مدعو کیا تھا وہاں موصوف نے کتابوں کے معاملہ کو خود چھیڑا اور کہا اپنے معلم کو میرے پاس بھیجدیجئے تو میں اسے بتلا دوں کہ کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے میں نے کہا معلم کوئی میرے قبضے میں نہیں ہے۔ معلم کوئی توجہ ہی نہیں کرتے۔

غرض اب لے دے کے یہ امید تھی کہ واپسی کے موقع پر جدہ میں یہ کتابیں واپس مل جائیں گی اور ہم خوش تھے کہ ہمارے لیے جو پروگرام جدہ کی روانگی کا بنا ہے اس میں ایک دن جدہ میں قیام ہوگا دوسرے دن جہاز روانہ ہوگا تو اس ایک دن میں یہ کام ہو جائے گا مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔

جدہ میں پہونچ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج چونکہ جمعہ ہے

اسلیے تمام دفاتر بند رہیں گے۔ اب جو کچھ ہو سکتا ہے کل ہو سکتا ہے مگر دوسرے ہی دن جہاز جانا ہے پھر بھی سائنس کے ساتھ اُس ہے لہٰذا اب دوسرے دن کا انتظار رہ گیا۔

دوسرے دن صبح کو پہلے جناب قدوائی صاحب کے دفتر گئے کہ شاید وہاں سے کچھ مدد ملے وہاں خود قدوائی صاحب تو تھے نہیں معلوم ہوا کہ وہ ابھی مکہ مدینہ سے نہیں آئے ہیں صدیقی صاحب بھی نہیں تھے جو انکے اسسٹنٹ ہیں اسٹاف میں کے ایک صاحب تھے جنھوں نے ہمدردانہ باتوں پر اکتفا کی اور بس۔

اسکے بعد اب ہم نے معلم کے وکیل جناب ابو زید سے ملنے کی کوشش کی، دفتر کے بہت سے پھیروں کے بعد ایک دفعہ موصوف وہاں بیٹھے ہوئے ملے مگر شاید بعض والیان ملک ہی کا یہ جبروتی انداز ہو جو ان کا نظر آیا۔ پوری روئداد کتابوں کی سننے کے بعد انھوں نے فرمایا کہ کسٹم میں آپ کو جہاز کے پہلے جانا ہی ہوگا اسی وقت وہاں سے کتابیں لے لیجئے گا۔

چونکہ یہ سب سنا کیے ہیں کہ حاجیوں کے سامان دیکھنے میں جاتے وقت اگرچہ کچھ پریشان نہیں کیا جاتا بلکہ اکثر کھول کر دیکھا بھی نہیں جاتا مگر کسٹم میں جانا اور اسباب کو دکھلا کر اس پر نشان بنوانا ضروری ہے لہٰذا ابو زید صاحب کی بات معقول معلوم ہوئی۔ مگر اب سنیے کیا ہوتا ہے؟

دوپہر کو لاریاں آ کے کھڑی ہو گئیں اور مزدور سامان اٹھانے کے لیے آ گئے اور سب سامان لاریوں میں رکھ کر روانہ کر دیا گیا اور دوسری

لاریوں میں مسافر بٹھائے گئے اور لاریاں چل کھڑی ہوئیں کسٹم راستے میں سلسلہ ہے اس کے بعد جہاز کی گودی ہے مگر موٹریں مدینۃ الحجاج سے جو چلیں تو راستے میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ٹھہریں۔ سیدھی جہاز کی گودی پر پہونچ گئیں جہاں سامان اتار کر قلی جہاز میں پہونچانے لگے اور مسافروں کے جہاز پر چڑھنے کا ہنگامہ اور بس اسی میں ہم بھی۔

یہ ایک کمی آتے وقت بھی محسوس ہوئی تھی اور اب جاتے وقت بھی کہ جہاز میں اترنے چڑھنے کے موقع پر سکنڈ اور فرسٹ والوں کے لیے راستہ الگ نہیں ہوتا بلکہ سب ایک لکڑی ہنکائے جاتے ہیں اب نگاہ حسرت سے کسٹم کی طرف دیکھتے تھے اور رہ جاتے تھے معلوم ہوا کہ آج حکومت کی طرف سے آرڈر یہ آگیا ہے کہ حجاج اور ان کے اسباب کسٹم میں لائے ہی نہ جائیں سیدھے جہاز پہ پہنچا دیے جائیں۔ یہ عام طور پر مسافروں کے لیے بڑی رحمت تھی جو ہمارے لیے سخت ترین عذاب بن گئی۔ اس طرح امید کا جو آخری تار تھا وہ بھی قطع ہوگیا۔

جہاز پر سوار ہونے کی زحمت، الحفیظ والامان شدت کی دھوپ اور اسمیں طویل لائن اور آدمیوں کی کشمکش اور دھکا پیلی اور اس عالم میں زینہ پر چڑھنا تقریباً دو گھنٹے دوپہر کی سخت دھوپ کھانے کے بعد جہاز پر پہونچنا ہوا یہاں قلی پہلے سے سامان لاکر کہیں پر رکھ گیا تھا اب اس سامان کا ڈھونڈھنا اور پھر اپنے کیبن کی تلاش، اس سب میں شدید تعب و مشقت برداشت کرنا پڑا۔

اعلیٰ حضرت قدوائی صاحب سے آخری ملاقات اسی عالم میں جب
ہم فرسٹ کلاس کے کیبن کے دروازہ میں اس کیفیت کے ساتھ کھڑے تھے جسمیں چہرہ
کا حال تو دوسرے ہی دیکھنے والے محسوس کر سکتے تھے مگر لباس اور جسم کا حال میں
جانتا ہوں کہ وہ پسینہ میں ایسے شرابور تھے کہ دونوں ایک دوسرے میں چپاں ہو گئے
تھے اس اثناء میں جناب معلی القاب قدوائی صاحب سامنے سے گذرے اور ارشاد ہوا کہ
کیسے آپکو جگہ مل گئی؟ گویا جگہ کا ملنا کوئی خلاف توقع امر تھا جبکہ فرسٹ کلاس کا واپسی کا
ٹکٹ موجود تھا، میں نے کہا جی ہاں، مل تو گئی جگہ، فرمایا کتابوں کا کیا ہوا؟ اب میں نے
مختصر الفاظ میں پوری روداد سنادی کہ ہونا کیا؟ کل جمعہ تھا اور آج ہمیں بتایا یہ گیا
تھا کہ کسٹم آفس میں بہر حال جانا ہوگا مگر آج ہوا یہ کہ ہم براہ راست جہاز کی طرف پہنچادیے
گئے اور اب جہاز چھوٹ رہا ہے۔ فرمایا اب آپ اپنے کسی معتبر آدمی کو یہاں بتائیے تو کتابیں
اسکے ہاتھ بھجوادی جائیں۔ میں نے کہا میں یہاں اپنا معتبر آدمی کسے بناؤں؟ آپ ہی جس
معقول آدمی کو دیکھیں کہ اُدھر جانیوالا ہے اسکے ہاتھ روانہ فرمادیں۔ اس پر بڑی شان
تمکنت ارشاد ہوا کہ بہتر۔ اگر یاد رہا تو بھجوادی جائیں گی مگر اس کے بعد خود سے آپ
کو کیا یاد آتا؟ یہاں سے ان کے دوستوں اور عزیزوں تک کے خطوط بھجوا کر یاد دلانے
کی کوشش کی اور خود وہ بعد میں لکھنؤ تشریف لائے تو ان کے قدیم احباب آفاق صاحب
اور عسکری صاحب کے ساتھ میں خود ملا اور انھیں یاد دلایا مگر سب بے سود۔
اور اب تو معلوم ہوا ہے کہ وہ کتابیں سعودی دفتر کی طرف سے ضائع بھی کی جاچکیں

آخری تاثر

کتابوں کی فہرست پہلے لکھی جا چکی ہے اور سب کتابوں کا ذخیرہ اتنا افسوس نہیں مگر میرے چوتھائی صدی کے جوابات مسائل جن کا ذخیرہ فراہم ہوتا اب قطعاً ناممکن ہے۔ یہ وہ داغ ہے جو کسی طرح دل سے نہیں جا سکتا۔ اب اس سفرنامہ کے ناظرین سے استدعا ہے کہ جس کسی کے پاس میرا آج سے سات برس ادھر کا کبھی کا بھی کوئی مسئلہ ہو، وہ اس کے سوال و جواب دونوں کو نقل کر کے مجھے روانہ کر دے۔ ان مسائل میں بعض بہت تفصیلی اور استدلالی بھی تھے۔ ان میں سے اوقات نماز پر جو مبسوط جواب تھا، وہ تو اسکے مستفتی جناب سید علی حسنین صاحب (سردھنی ضلع بجنور) سے مجھے مل گیا ہے۔ اسکے علاوہ جو یاد ہے وہ نواب سید محمد عباس صاحب طالب صفوی رئیس شمس آباد سے مفصل مراسلت نماز جمعہ کے باب میں ہے۔ یہ ممکن ہے ممدوح کے پاس محفوظ ہو۔ اسکے علاوہ اور نہ جانے کیا کیا تھا اور وہ کہاں کہاں ہے۔ مجھے کہاں یاد ہو سکتا ہے۔ یہ ذخیرہ تقریباً آٹھ سو صفحات میں پھیلا ہوا تھا۔ کیا اب اس کا اکٹھا ہونا ممکن ہے؟ قطعاً نہیں۔

maablib.org

حجاج کے لیے ضروری ہدایت

یہ مجھ ہی پر نہیں گذری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ میرے ساتھ کے ذخیرہ میں ایسے نوادر تھے جواب مل نہیں سکتے مگر یہ چیز کہ مذہبی کتابیں جو ساتھ تھیں وہ روک لی گئیں۔ دوسرے حجاج کے ساتھ بھی ہوئی۔ چنانچہ میرے سامنے فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کی جلدیں اسی کسٹم آفس میں لاکر رکھی گئی تھیں یہ بھی کسی حاجی سے لے کر روکی گئی تھیں۔

یہ منطق بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ جب مختلف فرق اسلامی کے افراد کو مکہ میں آنے کی حکومت حجاز کی طرف سے اجازت ہے تو ان کے مذہبی معتقدات کی کتابوں کے ان کے ساتھ جانے کی روادار کیوں نہیں ہے جبکہ وہ اسے اپنے لیے لے جاتے ہیں۔ عوام میں اشاعت کے لیے نہیں لے جاتے۔

بہرحال جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ حکومت سعودی اس بارے میں مزاحمت کرتی ہے تو حج کمیٹی کو چاہیے کہ وہ اپنے ہدایت نامہ میں جو حجاج کی اطلاع کے لیے چھپتا ہے یہ درج کر دے کہ حجاج اپنے ساتھ مذہبی کتابیں

نہ لے جایا کریں ۔ بہرحال اب میں اپنے تجربہ کی بنا پہ ضرور حجاج کو متوجہ کروں گا کہ مجھ پہ جو گذری وہ گذری لیکن ؎

من نہ کردم ، شما خدر بکنید

اب جو حضرات جائیں ، وہ برائے خدا اپنے ساتھ مذہبی کتابیں نہ لے جائیں ورنہ پریشانی اٹھانے کا قوی اندیشہ ہے ۔

MAAB 1431
maablib.org

بس

اب اس سفرنامہ کو ختم کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اب کوئی خاص بات رہ ہی کیا گئی؟ جہاز میں چند دن سفر، پھر بمبئی پہونچنا اور اسی دن وہاں سے شام کو لکھنؤ کے لیے روانگی اور پھر تیسرے دن لکھنؤ؟ پہونچ جانا۔ اس میں کون خاص بات ہے جس کا لکھنا افادیت رکھتا ہو؟

والسلام خیر ختام ٥

و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ٥

مرکز احیاء آثار برّیّۃ
maablib.org